24

روزہ
ندائے خلافت
لاہور

21 تا 27 جون 2007ء/5 تا 11 جمادی الثانی 28

www.tanzeem.org

شمارے میں

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے......

منجیات اور مہلکات

پاکستان میں طالبانائزیشن کا امکان؟

"تو جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے...."

وقتِ توبہ

صدر، ماسی اور صحبت علی

ترکی میں احیائے اسلام......

کانٹے کا درد

تفہیم المسائل

عالم اسلام

نفاق کب سامنے آتا ہے؟

جس معاشرے میں دعوت و تحریک نہیں ہوتی اور جمود (stagnation) ہوتا ہے، وہاں ایمان کا بھی جمود ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کا ایمان زیرو لیول پر ہے تو وہیں پڑا رہے گا۔ جونہی وہاں دعوت و تحریک کا آغاز ہوگا، امتحان و آزمائش کا مرحلہ بھی شروع ہو جائے گا۔ اِس مرحلے پر جان و مال کی قربانی دینی پڑے گی۔ اوقات لگانے ہوں گے۔ ایمان میدان کی طرف پکار رہا ہو، تو اُس کی پکار پر لبیک کہنا ہوگی، تب ہی آدمی کے ایمان کی ترقی کا سفر شروع ہوگا۔ ایمانی لحاظ سے یہ صورت انتہائی خطرناک ہوگی کہ قربانی کا تقاضا آئے اور انسان اللہ کی راہ میں کسی قسم کی قربانی کے لئے تیار نہ ہو، وہ خیال کرے کہ مجھے اللہ بھی پیارا ہے، رسول ﷺ اور جنت سے بھی پیار ہے، مگر دوسری طرف جان و مال بھی عزیز ہیں اور میں گھر کا آرام نہیں چھوڑ سکتا۔ گویا ؎

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

اگر انسان کو علائق دُنیوی اللہ کی راہ میں نکلنے سے رکنے کا مشورہ دیتے ہوں کہ ہمارے پاس بیٹھے رہو اور بہانہ بنا دو، یا جھوٹ بول دو، بلکہ ضرورت پڑے تو قسمیں کھا کر اس آزمائش سے خود کو بچا لو..... تو جان لیجئے، یہی وہ موقع ہوتا ہے جب انسان کا نفاق نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

حقیقتِ ایمان
ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ المائدہ

(آیات: 116 تا 120)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا
لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ
لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ
وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ
الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ﴾

''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ بن مریم، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تُو پاک ہے، مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا۔ (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے، اور جو تیرے ضمیر میں ہے اُسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تو علاّم الغیوب ہے۔ میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تُو نے مجھے حکم دیا، وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک مَیں اُن میں رہا اُن (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا۔ جب تو نے مجھے دنیا سے اُٹھالیا تو تُو ان کا نگران تھا اور تُو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تُو غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ راستبازوں کو اُن کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔ اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ابدالآباد اُن میں بستے رہیں گے۔ اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بنالینا؟ حضرت عیسیٰؑ عرض کریں گے: اے اللہ تو پاک ہے۔ میرے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق حاصل نہیں ہے۔ اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو اے پروردگار وہ تیرے علم میں ہوتی (کیونکہ) تو تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ یقیناً تو تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ حقیقت تو تیری نگاہ کے سامنے موجود ہے۔ میں نے ہرگز اُن سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا، یہی کہ پرستش کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں تو جب تک اُن لوگوں میں موجود رہا، اُن کا نگران تھا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو اس کے بعد تو تو ہی اُن پر نگران تھا۔ اور یقیناً تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ ہر شے سے باخبر ہے۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں یعنی تجھے اُن پر پورا اختیار ہے اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ یہ تیری مخلوق ہیں اگر تو معاف فرمانا چاہے تو تجھے اختیار ہے، کوئی تجھ سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ یہ درخواست کا بہترین انداز ہے اور اُس شفقت ورافت کا نمونہ ہے جو انبیاء کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر وہ کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ مقام عبدیت یہی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج کا دن وہ دن ہے جس دن سچوں کو اُن کی سچائی فائدہ دے گی۔ اُن کے لئے باغات ہیں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیش اُن میں رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی اور جو کچھ اُن سب میں ہے اُس پر بھی اُسی کی بادشاہی اور اختیار ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں پر سورۃ المائدہ ختم ہوئی۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

غیبت سے روکنے کا اجر وثواب

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ))
(مسند احمد)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس بندے نے اپنے کسی مسلم بھائی کی عدم موجودگی میں اُس کے خلاف کی جانے والی غیبت اور بدگوئی کی مدافعت اور جواب دہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ آتشِ دوزخ سے اس کو آزادی بخش دے۔''

تشریح: مسلمان آپس میں اخوت کے رشتہ میں منسلک ہیں۔ ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے مسلمان کی غیبت کرے یا اُس کی عدم موجودگی میں اُسے بُرا بھلا کہے۔ اس کے برعکس اگر کسی مسلمان بھائی کی کہیں برائی بیان کی جارہی ہو یا اُس کی شخصیت پر کیچڑ اچھالا جارہا ہو تو وہ ازراہ ہمدردی اُس کی مدافعت کرے گا یعنی بدگوئی کرنے والے کو بدگوئی سے روکے گا۔ اُس کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ اُس کی بخشش کا ذمہ لے لیتا ہے۔

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری
اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش!

ایک حدیث شریف کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جو شخص بندوں سے سوال کرتا رہتا ہے، اللہ رب العزت اُس کا معاملہ بندوں ہی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اگرچہ آپ کا فرمانِ مبارک ایک فرد کے بارے میں ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہی بات معاشرے اور ریاست کے بارے میں بھی درست ہے۔ اِس لیے کہ معاشرہ کیا ہے؟ افراد کا مجموعہ اور معاشرے مل کر ریاست کی تشکیل کرتے ہیں۔ نصف صدی سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے، دنیا کو ہم امریکہ کے در پر سوالی بنے کھڑے نظر آتے ہیں اور شاید آپ ؐ کے فرمودہ اصول کے مطابق اللہ بھی بحیثیت قوم ہمیں امریکہ کے سپرد کر چکا ہے۔ گزشتہ ہفتے پاکستان کے فوجی حکمران گلا پھاڑ پھاڑ کر زہے نصیب کا آوازہ لگاتے رہے کہ تین اعلیٰ امریکی عہدیدار بیک وقت پاکستان میں موجود تھے۔ رچرڈ باؤچر جو وزارتِ خارجہ میں اسسٹنٹ سیکرٹری ہیں، سب سے پہلے تشریف لائے۔ اگلے روز نیگرو پونٹے آئے، جو کنڈولیزا رائس سیکرٹری آف سٹیٹ کے بعد وزارت خارجہ میں سینئر اور اہم ترین عہدہ دار ہیں۔ پھر امریکی آرمی کے سنٹرل کمان کے سربراہ ولیم جے فالن پہنچ گئے۔

پاکستان کی ریاستی انتظامیہ میں تو ایک امریکی صاحب کے آنے پر ہلچل مچ جاتی تھی اور یہ یک شد نہ دو شد بلکہ سہ شد کا معاملہ تھا، لہٰذا کُل پاکستان کی انتظامیہ ریڈ الرٹ تھی۔ جس طرح بہت سی ملوں یا اداروں کا مالک اپنی کسی مل یا ادارے کا وزٹ کرتا ہے تو اُس مل یا ادارے کا جنرل منیجر یا ایم ڈی اُسے ہر ہر شعبہ کے بارے میں بریفنگ دیتا ہے، تا کہ اپنی زبردست کارکردگی سے مالک کو آگاہ کرے۔ پاکستان کی انتظامیہ بھی اپنے اِن آقاؤں کو الیکشن کمیشن کے مرکزی دفتر میں لے گئی کہ کس طرح مذکورہ آفس کو صاف، شفاف، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے لئے مانجھا جا رہا ہے۔ بلوچستان کا دورہ کرایا گیا کہ کس طرح دہشت گردی کے خلاف 'پاکیزہ' جنگ میں آپ کا فرنٹ لائن اتحادی، بہادری اور بے جگری سے لڑ رہا ہے اور پاک سرزمین کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کر رہا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مقدر اور سیاہ و سفید کے سرخ و سفید مالک مطمئن نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ رچرڈ باؤچر ہمارے وزیر خارجہ جناب خورشید قصوری کو اپنے ساتھ جہاز میں بٹھا کر امریکہ لے گئے اور کنڈولیزا رائس کی خدمت میں یوں پیش کر دیا، جیسے سکول ماسٹر شریر بچے کو کان سے پکڑ کر ہیڈ ماسٹر کے روبرو پیش کرتا ہے۔ بہر حال یہ کام تو ہماری ماضی کی تمام حکومتیں کسی نہ کسی ڈھکے چھپے انداز میں کرتی رہی ہیں، موجودہ حکومت کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ یہ فریضہ کھلم کھلا اور علی الاعلان ادا کر رہی ہے اور امریکی غلامی کا طعنہ سن کر بے مزہ نہیں ہوتی۔

اِس حوالہ سے ہمارے لئے انتہائی حیران کن رویہ اپوزیشن کا تھا جو حکومت کو دن رات امریکی ڈکٹیشن قبول کرنے پر لعن طعن کرتی رہتی ہے۔ لیکن خود اس کے رہنما اِن امریکی عہدہ داروں کی زیارت کرنے اور شرفِ ملاقات حاصل کرنے کے لئے امریکی سفارت خانہ کے سامنے لائن لگا کر کھڑے رہے۔ وہ حکومت پاکستان اور صدر مشرف کی شکایتیں لگاتے رہے۔ حیف ہے ایسی سیاست پر، جس سے ملک کی عزت و وقار کا دھیلا ہو جائے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اپوزیشن کہتی، انتخابات کا معاملہ ہو یا وردی کا ہم جانیں اور مشرف جانے، امریکہ کون ہوتا ہے ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت کرنے والا۔ ہم مشرف کے لاکھ مخالف سہی لیکن اِس بارے میں امریکیوں سے ایک حرف نہیں کہیں گے، یہ ہماری آزادی و خود مختاری کا معاملہ ہے۔ یہ ہمارے ملک کی عزت اور وقار کا معاملہ ہے، اور ہم اِس پر کسی صورت سمجھوتہ نہیں کر سکتے، چاہے اِس کے نتیجہ میں ہمیں لاکھ تکالیف برداشت کرنا پڑیں، ہم اپنے عوام سے رجوع کریں گے۔ ہم اپنی عدلیہ سے رجوع کریں گے، لیکن کسی غیر کو اپنے معاملات میں مداخلت کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔ اگر آج کی اپوزیشن امریکیوں کو اپنے دُکھڑے سناتی ہے، تو کل جب یہ حکومت میں آئیں گے، تو امریکی ڈکٹیشن کے حوالہ سے وہی انداز اختیار کریں گے جو آج کی حکومت اور مشرف نے کیا ہوا ہے۔ تاویلیں گھڑنے سے اور چرب زبانی سے سادہ لوح عوام تو بہل جاتے ہیں، حقائق تبدیل نہیں ہوتے۔

ہمیں یہ جان کر شدید دکھ ہوا کہ صبح شام افغانستان اور عراق میں امریکی مظالم کا ذکر کرنے والے اور (باقی صفحہ 17 پر)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 21 تا 27 جون 2007ء — 5 تا 11 جمادی الثانی 1428ھ — شمارہ 24

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

دُعا

(مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

ہے یہی میری نماز، ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو!
صحبتِ اہلِ صفا، نور و حضور و سُرور
سر خوش و پُر سوز ہے لالہ لبِ آبجُو!
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ مرے رہ گئی، ایک مری آرزو! (جاری ہے)

علامہ اقبال جب 1932ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انہوں نے ہسپانیہ کا دورہ کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیرِنگیں رہا، اُس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اِس المیے کے اثرات اِس نظم میں جابجا موجود ہیں۔

یہ پُر سوز، پُر کیف اور پُر تاثیر دُعا، جیسا کہ خود علامہ اقبال نے صراحت کی ہے، انہوں نے مسجد قرطبہ میں بیٹھ کر لکھی تھی۔ پہلے تین شعروں میں دُعا کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد چار شعر حمد و ثنا کے رنگ میں ہیں۔ پھر دو شعروں میں دُعا کی ہے اور ایک شعر میں گِلہ کیا ہے، لیکن اس میں بھی در پردہ دُعا ہی ہے۔ آخری شعر میں فلسفہ اور شعر کی حقیقت بیان کی ہے۔ چونکہ یہ نظم ایک خاص ماحول میں اور خاص جذبے کے تحت لکھی گئی تھی، اس لیے اِس کا ہر شعر اور ہر مصرع سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے، جس کی وجہ سے پڑھنے والے کے دل میں بھی اِسی قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اِس نظم میں بظاہر نہ کسی لفظ میں اشکال ہے، نہ کسی ترکیب میں اغلاق ہے۔ دشواری جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اقبال کی شاعری، سراسر رمز و کنایہ سے معمور ہے، اور اِس قسم کے اشعار کی خصوصیت یہ ہے کہ بظاہر مطلب کچھ ہوتا ہے، لیکن بہ باطن شاعر کی مُراد کچھ اور ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر رمزیہ اشعار کا ظاہری مطلب جہاں ختم ہوتا ہے، دراصل حقیقی مفہوم وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بات اُن کے مجموعۂ کلام ''بالِ جبریل'' ہی سے مختص نہیں ہے۔ اقبال کی ہر تصنیف میں یہی رنگ پایا جاتا ہے۔ اب یہاں نظم کے ایک ایک شعر کی شرح پیش کی جاتی ہے۔

1۔ پہلے شعر کا مطلب یہ ہے کہ نماز از روئے شریعت سب سے بڑی اور لازمی عبادت ہے۔ اور عبادت کا مغز آنحضور ﷺ کی حدیث کے مطابق دُعا ہے۔ لیکن دُعا کی شرط یہ ہے کہ اس میں خلوص کا رنگ ہو، یعنی دل کی گہرائیوں سے نکلے، اس طرح کہ اس میں دُعا کرنے والے کے جگر کا خون یعنی عشق کا رنگ منعکس ہو۔

''خونِ جگر'' اقبال کی خاص اصطلاح ہے اور اس سے ان کی مُراد عشق یا خلوصِ قلب ہوتی ہے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

یا نزع میں ہے، یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا، خونِ جگر سے
رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صورت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

2۔ لیکن یہ خلوص، یہ رنگِ فدویت اور یہ خضوع و خشوع اہلِ صفا یعنی صاف دل والوں، عشاق کی صحبت سے پیدا ہو سکتا ہے۔ صاف و پاکیزہ محبت سے انسان کا قلب جلا پاتا ہے۔ محبوب کی حضوری کے ساتھ کیف و سرور کی وہ صورت ملتی ہے، جیسے نہر کے کنارے لالے کا پھول لہراتا رہتا ہے اور نہر کی لہریں اُس کو ہمیشہ تازگی، سرخوشی اور سوز بخشتی رہتی ہیں۔ یہ ایک اور مطلب ہے کہ گلِ لالہ میں دلکشی اور رعنائی، حُسن اور زیبائی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ آبجو (ندی) کے قریب ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان میں سرخوشی اور سوز و گداز اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ عاشقِ حقیقی کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ جس طرح پانی پھولوں کی آبیاری کرتا ہے، اسی طرح عاشق کی نگاہ دل کو تر و تازہ کرتی ہے۔

3۔ اقبال کہتے ہیں کہ محبت کی راہیں اس قدر سنگلاخ ہوتی ہیں کہ اس میں انتہائی قربت رکھنے والے عزیز و اقارب بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک اور شاعر نے اسی مضمون کو ایک مصرعے میں یوں پیش کیا ہے:

تاریکی میں سایہ بھی جُدا رہتا ہے انساں سے

دُعا میں خلوص اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اللہ کے عشق میں فنا ہو جائے، لیکن اِس راہ میں نہ دوست کام آ سکتا ہے نہ کوئی عزیز مدد کر سکتا ہے۔ عاشق کو یہ راہ اپنی ذاتی کوشش اور ہمت سے طے کرنا پڑتی ہے۔ اِس راہ میں اگر کوئی رفیق ہو سکتا ہے تو وہ عاشق کا جذبۂ عشق ہی ہے، جو آخر تک اس کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اسی جذبۂ عشق کو اقبال نے ''آرزو'' سے تعبیر کیا ہے۔

منجیات اور مہلکات

[یعنی نجات دلانے والی، اور ہلاکت میں ڈالنے والی چیزیں]

مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 8 جون 2007ء کے خطبہ جمعہ کی تلخیص

[گزشتہ سے پیوستہ]

حضرات! اب آپ کے سامنے، وہ حدیث رسول ﷺ پیش کی جارہی ہے، جو سیرت و کردار کی تعمیر اور اخلاق کی درستگی کے ضمن میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ علم و حکمت کا ایک عظیم خزانہ ہے، جس سے ہم سب کو استفادہ کرنا چاہیے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِیَاتٌ وَثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنَا وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًی مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِیَ اَشَدُّهُنَّ)) (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کردینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں، ایک اللہ کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے حق بات کہنا خوشی میں اور غصہ میں اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور تنگدستی میں۔ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں: وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اس کے تقاضے پر چلا جائے) اور آدمی کی خود پسندی کی عادت، اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔''

رسول اکرم ﷺ معلم اخلاق تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ چنانچہ آپؐ کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے اور کبھی کسی اور ایسے سبب سے اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمال صالحہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے اور اسی طرح بعض خاص بُرے اعمال و اخلاق کی قباحت و شناعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے۔ یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے جس میں آپؐ نے تین منجیات (نجات دلانے والی چیزیں) اور تین مہلکات (ہلاکت میں ڈالنے والی چیزیں) کا تذکرہ فرمایا، تاکہ مسلمان منجیات کو اختیار کریں اور مہلکات سے اپنا دامن بچائیں۔

منجیات

تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں، اور وہ ہیں:
خلوت وجلوت میں اللہ کا تقویٰ

اگر تقویٰ نہ ہو، تو کوئی شخص بظاہر خواہ کتنا ہی صاحب مرتبہ دکھائی دے، ایمان حقیقی کے سرمایے سے محروم ہوگا۔ عملی زندگی میں اُس کی روش منافقانہ ہوگی۔ وہ اپنے حقیر سے فائدے کے لئے جھوٹ بولے گا، بددیانتی کا ارتکاب کرے گا، وعدہ خلافی کرے گا

خوشی اور غصہ دونوں حالتوں میں حق بات کہنا، اور
خوشحالی اور تنگدستی ہر دو حالتوں میں میانہ روی۔

1۔ **تقویٰ**: نجات دلانے والی چیزوں میں سب سے پہلی ہے:

﴿فَتَقْوَی اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ﴾

''خلوت اور جلوت میں اللہ کا تقویٰ''

تقویٰ اِس احساس کا نام ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، لہٰذا میں گناہ سے بچوں۔ میں کوئی گناہ خواہ کتنا ہی چھپ کر کیوں نہ کروں، وہ اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ ہر چیز کا دیکھنے والا ہے۔ تقویٰ کردار کی درستگی، اور تمام خوبیوں اور بھلائیوں کی جڑ ہے۔ جس شخص کا باطن تقویٰ کی خوشبو سے معطر ہو جائے، وہ ایک سچے مومن اور معاشرے کے ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے زندگی گزارتا ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی سے بچتا ہے، اور شریعت کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ وہ ایک طرف حقوق اللہ کو ادا کرتا ہے اور دوسری جانب اُس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھتا ہے۔ اور اُن کی حق تلفی اور ظلم و زیادتی سے اجتناب کرتا ہے، تاکہ اُس کا رب اُس سے راضی رہے۔ اگر تقویٰ نہ ہو، تو کوئی شخص بظاہر خواہ کتنا ہی صاحب مرتبہ دکھائی دے، ایمان حقیقی کے سرمایے سے محروم ہوگا۔ عملی زندگی میں اُس کی روش منافقانہ ہوگی۔ وہ اپنے حقیر سے فائدے کے لئے جھوٹ بولے گا، بددیانتی کا ارتکاب کرے گا، وعدہ خلافی کرے گا۔ ایسا شخص اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھائے گا۔ لوگوں کے تنازعات میں اگر اُسے گواہی دینا پڑے گی، تو حق و ناحق کا لحاظ کئے بغیر جھوٹی گواہی دے گا۔ اِن تمام خرابیوں کا اصل سبب یہ ہے کہ اُس کے اندر تقویٰ کی وہ قوت موجود نہیں ہے، جو گناہوں سے روکنے والی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے ایک جسٹس صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اپنے شدید کرب اور گہرے احساس کو بیان کیا۔ کہنے لگے: آپ لوگ مسجد کے منبر پر لوگوں کو نماز روزہ کی باتیں بتاتے ہیں، انہیں یہ بھی بتائیں کہ تم لوگ عدالتوں میں جو جھوٹی قسمیں کھاتے، اور جھوٹی گواہیاں دیتے ہو، یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ انہیں اللہ کا یہ فرمان یاد دلایئے کہ ''اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہوگا، اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' (البقرہ: 283) وہ کہہ رہے تھے کہ جب ہمارے مسلمان بھائی محض اپنی انا کی تسکین کے لئے، یا چند ٹکوں کے فائدے کی خاطر جھوٹے قرآن اٹھاتے ہیں، تو قوم کی یہ پست حالت دیکھ کر ہمارا دل خون کے آنسو روتا

ہے۔ ہائے افسوس! یہ حالت اُس مسلمان کی ہے، جس کا منصب اور ذمہ داری ہی یہ تھی کہ وہ ہر حال میں سچی بات کہے۔ جسے تعلیم دی گئی تھی کہ حق بات کہے، خواہ وہ اُس کی ذات، اعزّہ و اقارب اور والدین کے خلاف جاتی ہو۔

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ آج قوم اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہے۔ جھوٹ، وعدہ خلافی، بددیانتی، مالیاتی بے ضابطگی، معاملات میں ہیر پھیر، لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری، اقرباء پروری کا کلچر عام ہے۔ اِن خرابیوں نے قومی وجود کو گھائل کر رکھا ہے۔ ہمارے ملک کا شمار ہمیشہ کرپٹ ممالک کی فہرست میں ٹاپ ٹین میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ امن وامان کی صورتحال بھی انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ کسی بھی شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں۔ ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق، جس میں امن وامان کی صورتحال کے حوالے دنیا کے 121 ممالک کی درجہ بندی کی گئی ہے، اُس میں پاکستان کو ایک سو پندرھویں نمبر پر رکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں صرف چند ممالک ایسے ہیں، جہاں ہم سے زیادہ بدامنی ہے۔ 121 میں سے 114 ممالک ایسے ہیں جہاں امن وامان کی صورتحال ہم سے بہتر ہے۔ یہ اُس ملک کا حال ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، اور جہاں نوے فی صد سے زیادہ مسلمان بستے ہیں۔ بہرحال افراد قوم میں پائی جانے والی خرابیوں کا اگر تجزیہ کیا جائے، تو اس کی بنیادی وجہ تقویٰ اور خدا خوفی سے محرومی ہے۔

2۔ **حق بات کہنا**: نجات دلانے والی دوسری شے جو آپؐ نے بتائی، وہ ہے:

((اَلْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسَّخَطِ))

''خوشی اور غصہ دونوں حالتوں میں حق بات کہنا''

مسلمان کے لئے لازم ہے کہ رضا اور غصہ دونوں حالتوں میں حق بات کہے، خلاف واقع بات کسی صورت میں نہ کہے۔ اگر فریقین کے مابین فیصلہ کرنا پڑے، تو انصاف کے ساتھ کرے، جانبداری کا مظاہرہ ہرگز نہ کرے۔ یہی اصول عدل ہے، جس کی پاسداری کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ یہ کام آسان نہیں ہے۔ فرض کریں، دو افراد نے آپ کو منصف بنایا، اور درخواست کی کہ آپ اُن کے درمیان فیصلہ کریں۔ اُن میں سے ایک شخص وہ ہے جس کے ساتھ آپ کا دیرینہ تعلق ہے، اور ایک عرصے سے دوستی چلی آرہی ہے، اور دوسرے سے آپ کا تعلق نہیں ہے۔ دونوں کا موقف سن کر آپ اِس نتیجہ پر پہنچے کہ جس شخص سے آپ کا پرانا تعلق ہے، اُس کا موقف درست نہیں، جبکہ دوسرا شخص حق پر ہے۔ اب آپ آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ ایک طرف اللہ کا حکم (اصول عدل) ہے، جس کا تقاضا ہے، کہ آپ بہرصورت عدل کریں اور دوست کے خلاف فیصلہ سنائیں، اور دوسری جانب نفس کا، اور تعلق داری کا باطل تقاضا یہ ہے کہ خواہ حقائق کچھ بھی ہوں، آپ اپنے دوست کے حق میں فیصلہ کریں، اور اگر ایسا نہیں بھی کر سکتے، تو کم از کم اتنا ضرور کریں کہ آپ کے فیصلے سے آپ کا دوست کم سے کم متاثر ہو۔ یہی وہ مقام ہے جو دراصل آپ کے تقویٰ کا امتحان ہے۔ یہی آپ کی شخصیت کے توازن و اعتدال، اور انصاف پسندی کی کسوٹی ہے۔ اگر اس میں آپ کامیاب ہو جاتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا دل زندہ ہے، اور اگر ناکام ہو جاتے ہیں، اور جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے غلط فیصلہ کرتے ہیں، تو یہ اِس بات کا اظہار ہے کہ آپ کا ضمیر مر چکا ہے۔ حقیقت میں آپ چلتی پھرتی لاش ہیں۔ پھر آپ کو

پریس ریلیز 13 جون 2007ء

''ارکان قومی اسمبلی ظالمانہ سودی نظام کے خلاف قومی اسمبلی میں بل پیش کریں''

حافظ عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے نجی سودی کاروبار کے خلاف پنجاب اسمبلی میں بل منظور کئے جانے کا خیر مقدم کیا ہے۔ تاہم انھوں نے کہا ہے کہ اس بل کو ملک میں رائج سودی نظام اور دیگر سودی اداروں کے تحفظ کے لئے تصور کیا جائے گا تا آنکہ قومی اسمبلی سے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ پر مبنی بل منظور نہ کرالیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلے کے ذریعہ بینکنگ کے تمام کاروبار کو اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف جانتے ہوئے حرام قرار دیا تھا، مگر وفاقی حکومت نے اپنے اقدامات کے ذریعہ اُسے غیر موثر کر رکھا ہے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ نجی سطح پر سود خور حضرات قوم کے چند افراد کو سود میں جکڑ کر جتنا نقصان پہنچا رہے ہیں وہ اس نقصان کا عشر عشیر بھی نہیں ہے جو قومی بنکوں کے ظالمانہ سودی نظام سے عوام اور قومی اداروں کو پہنچ رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہم معاشی طور پر غیر اقوام کے غلام بن چکے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے قومی اسمبلی کے جملہ ارکان بالخصوص مذہبی سیاسی جماعتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ سودی نظام کے خلاف بل پیش کر کے اللہ اور رسول ﷺ کے ہاں سرخرو ہوں۔

پریس ریلیز 18 جون 2007ء

''برطانیہ کا ملعون سلمان رشدی کو سر کا خطاب دینا، امت مسلمہ کو مشتعل کرنے کی شعوری کوشش ہے۔ او آئی سی نوٹس لے''

حافظ عاکف سعید

برطانوی حکومت نے ملعون سلمان رشدی کو سر کے خطاب سے نواز کر امت مسلمہ کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچائی ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اپنے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے دینی شعائر اور شخصیات کا تمسخر اڑانے والوں کو تحفظ دینا برطانوی حکومتوں کا شعار رہا ہے۔ پہلے شاتم رسول ﷺ اور گستاخ سلمان رشدی کو پناہ دے کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کا سامان کیا گیا اور اب اِس ملعون کو سر کا خطاب دے کر امت مسلمہ کو مشتعل کرنے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ اُنہوں نے سلمان رشدی کو سر کا خطاب دیے جانے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ تمام مسلمان جن کے پاس سر کا خطاب ہے وہ برطانوی حکومت کے اس اقدام پر احتجاجاً سر کا خطاب واپس کر دیں۔ اُنہوں نے کہا کہ O.I.C کو بھی اس کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے اور تمام مسلمان ممالک کو اس حوالہ سے مشترکہ مؤقف اختیار کرنا چاہیے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

اپنے ضمیر کی فکر کرنی چاہیے۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اِسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

ہمارے معاشرے کا المیہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص حق و انصاف کی بات کہے، اور اس سلسلے میں کسی تعلق اور رشتہ داری کی پروانہ کرے، تو اُسے پسند نہیں کیا جاتا، بلکہ بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں وہ بڑا بے لحاظ اور بے مروت آدمی ہے، اُس نے رشتہ داری اور تعلق داری کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اگر یہ شخص جانبداری کے تحت فیصلہ کرتا، تو اُس کا تعلق دار تو خوش ہو جاتا، مگر دوسرا شخص حق سے محروم ہو جاتا، اور اِس بنا پر یہ شخص اللہ کی نگاہ میں ظالم ٹھہرتا۔

3۔ **خرچ میں میانہ روی**: نجات دلانے والی چیزوں میں تیسری چیز ہے:

((اَلْقَصْدُ فِي الْغِنَا وَالْفَقْرِ))

"خوشحالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں میانہ روی۔"

آدمی خوشحال ہو، یا تنگ دستی کا شکار ہو، عافیت اسی میں ہے کہ وہ دونوں حالتوں میں میانہ روی کا مظاہرہ کرے، اور اعتدال و توازن پر قائم رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ اُسے خوشحالی عطا کرے اور مال و دولت سے نوازے، تو وہ اسراف و تبذیر کو اپنا شیوہ بنالے، اللے تللوں میں اپنا سرمایہ ضائع کرنے لگے، معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے شوق میں اخراجات اتنے بڑھا لے کہ کل کو قلاش ہو جائے۔ ہمارے ہاں نو دولتیے بالعموم یہی روش اپناتے ہیں۔ اگر کسی وقت زیادہ سرمایہ ہاتھ آ گیا تو "سٹینڈرڈ" کو اتنا بلند کر لیتے ہیں کہ نہ صرف جائز ضروریات کی تکمیل کے لئے پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہیں بلکہ تعیش پسندی کو بھی زندگی کا لازمی حصہ بنا لیتے ہیں۔ اور پھر جب ذرائع آمدن کم ہو جائیں، اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑے تو بڑی مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ اب اُن کے لئے اُس "سٹینڈرڈ" سے نیچے آنا بھی مشکل ہوتا ہے، اور سٹینڈرڈ کو برقرار رکھنے کے لئے وسائل نہیں ہوتے، لہٰذا وہ کرپشن کا سہارا لیتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال و دولت سے نوازا ہے، اور وہ اچھا کھاتا پیتا ہے، اور خوبصورت اور قیمتی لباس زیب تن کرتا ہے، تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر اسراف سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اِس سے بچنا ضروری ہے۔ فرمایا:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ (الاعراف:31)

"کھاؤ پیو، اور اسراف نہ کرو۔"

اور بے جا اڑانے والوں کو تو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ (بنی اسرائیل:27)

"بے شک بے جا اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔"

اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسراف و تبذیر کا نتیجہ معاشی بدحالی ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص کبھی تنگ دست نہیں ہوتا جو خرچ میں میانہ روی اختیار کرے۔ میانہ روی کے اصول کے تحت جہاں اسراف و تبذیر سے منع کیا گیا، وہاں بخل کی بھی ممانعت ہے۔ اگر کوئی شخص تنگ دست ہو، تو اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی اور اہل خانہ کی جائز ضروریات پر بھی پیسہ خرچ نہ کرے۔ بلکہ جس حد تک وسائل میسر ہیں، اُسے چاہیے کہ اُن سے استفادہ کرے۔ اور اِس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اور اسباب پیدا فرما دے گا۔

مہلکات:

حدیث رسول ﷺ کے دوسرے حصے میں مہلکات کا تذکرہ ہے۔ ہلاک کرنے والی چیزیں بھی تین ہیں: وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، وہ لالچ اور بخل جس کی اطاعت کی جائے، اور آدمی کی خود پسندی کی عادت

1۔ **خواہشات نفس**: پہلی شے جو ہلاکت میں ڈالنے والی ہے، وہ ہے:

﴿هَوًى مُتَّبَعٌ﴾

"وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے۔"

انسان کے لئے سخت تباہ کن شے یہ ہے کہ اُس کی خواہشات بے لگام ہو جائیں۔ اگر خواہشات پر کنٹرول نہ رہے، تو وہ منہ زور گھوڑے کی طرح آدمی کو زمین پر پٹخ دیتی ہیں۔ اُس کی آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔ شاہراہ زندگی پر چلتے ہوئے انسان اگر نفس کے تقاضوں سے مغلوب ہو جائے، اور اُس کے وفادار ملازم کی طرح کام کرے، اور اِس بات کی یکسر پروا نہ کرے کہ اِس معاملے میں اللہ کا حکم کیا ہے، رسول ﷺ کا طریقہ کیا ہے، دین کا ضابطہ کیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے، اور اُس کی بندگی بجالا رہا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (الفرقان:43)

"کیا تو نے دیکھا ہے اُس شخص کو جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے۔"

2۔ **بخل و لالچ**: ہلاکت میں ڈالنے والی دوسری شے ہے:

((شُحٌّ مُطَاعٌ))

"وہ بخل و لالچ جس کی اطاعت کی جائے۔"

مال و دولت انسان کے لئے آزمائش ہے۔ اگر انسان اُسے صحیح طریقے سے استعمال میں لائے، مناسب طریقے سے اپنے اور اہل و عیال پر خرچ کرے، اللہ کی راہ میں، اُس کے دین کے غلبہ و سربلندی کے لئے خرچ کرے، بندگانِ خدا کی بھلائی میں پیسہ لگائے، تو یہ اُخروی کامیابی کا ذریعہ اور خوش بختی کی علامت ہے...... لیکن اگر صورت اِس کے برعکس ہو، آدمی مال گن گن کر رکھے، اور خرچ نہ کرے، ہر وقت زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی فکر میں سرگرداں رہے، اُسے فکر ہو تو اِس بات کی کہ جائز و ناجائز ذرائع سے مال حاصل ہو، تو یہ کیفیت انتہائی مہلک ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص خدا کو فراموش کر بیٹھا ہے اور اُس نے روپے پیسے ہی کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے ہی شخص کے متعلق فرمایا: ہلاک ہو جائے دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ۔ (رواہ البخاری)

3۔ **خود پسندی**: ہلاکت میں ڈالنے والی تیسری شے ہے:

((اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِيَ اَشَدُّ هُنَّ))

"آدمی کی خود پسندی، اور یہ سب سے زیادہ مہلک شے ہے۔"

اگر انسان میں عجب پیدا ہو جائے، وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے، اُس کے چال ڈھال، لب و لہجہ، انداز تکلم اور نشست و برخاست میں غرور جھلکنے لگے تو سمجھ لو کہ وہ تباہ ہو گیا۔ اُس نے خود کو ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ ایسے شخص کی نیکیوں کا سرمایہ برباد اور خدماتِ دینی لاحاصل ہو جاتی ہیں۔ کبر اللہ کی چادر ہے، جو شخص تکبر کرتا ہے، اللہ اُسے لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل کر دیتا ہے۔ اور آخرت میں ایسے شخص کے لئے جنت سے محرومی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔" (رواہ مسلم)

تکبر اخلاق ذمیمہ میں سے ہے۔ یہ ایسی خصلت ہے جو ایمان کے یکسر منافی ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی صلاحیت و استعداد، مال و دولت، حسن و جمال اور کنبہ و اولاد کو اللہ کی عطا سمجھے، اور اِس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ اِسی طرح اگر وہ خدمات دینی بجالا رہا ہے، مال کا انفاق کر رہا ہے، تو اس پر بھی اُسے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اُسی نے اُسے یہ توفیق بخشی ہے۔ اللہ کی نعمت پا کر انسان کے اندر عاجزی و انکساری پیدا ہونی چاہیے، نہ کہ کبر و غرور۔ پھل دار درخت کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ جب اُس پر پھل لگتا ہے تو اُس کی شاخیں اور جھک جاتی ہیں۔ یہی حال اچھے آدمی کا ہے۔ اللہ کی نعمتیں پا کر اُس میں تکبر پیدا نہیں ہوتا، بلکہ مزید عاجزی اور انکساری کی شان پیدا ہوتی ہے۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اور تواضع کا مظاہرہ کرتا ہے، اور لوگوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے۔ بقول شاعر

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں، ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں منجیات کو اختیار کرنے اور مہلکات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

پاکستان میں طالبانائزیشن کا امکان؟!

ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستان میں بعض مذہبی عناصر کا یہ خیال ہے کہ پاکستان میں بھی طالبان طرز کا انقلاب آنا چاہیے۔ اور اسی طرح بہت سے لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ ہمیں ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیے تھی۔ یہ حضرات بھول جاتے ہیں کہ ہر ملک کے اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں۔ پاکستان کے حالات افغانستان سے بہت مختلف ہیں، بلکہ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہمارے ملک کے بارے میں اگرچہ کہا جاتا ہے کہ یہ ترقی پذیر ممالک میں سے ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا شمار نیم ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے، جس کے نمایاں اوصاف یہ ہیں کہ یہاں ایک مضبوط حکومت قائم ہے۔ نہایت منظم اور تربیت یافتہ فوج کا ادارہ موجود ہے اور اس ادارے میں آج تک کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا۔ نواز شریف نے اس میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تھی، مگر فوج نے ثابت کر دیا کہ وہ پوری طرح یکسو اور مجتمع ہے۔ مزید برآں یہاں مرکزی اور صوبائی سطح پر بہت مضبوط ذہین اور تعلیم یافتہ بیوروکریسی بھی موجود ہے، جو اپنے اثر و رسوخ کے اعتبار سے معمولی نہیں بلکہ بہت زیادہ موثر ہے۔ دوسری جانب یہاں بڑی بڑی جاگیریں اور زمینداریاں ہیں۔ بڑے بڑے کاروباری خاندان ہیں۔ سرمایہ دار ہیں، صنعت کار ہیں۔ ان سب پر مستزاد وہ مغرب زدہ تعلیم یافتہ اشرافیہ ہے، جسے ہر میدان میں فیصلہ کن بالادستی حاصل ہے۔ خواہ آرمی کی لیڈر شپ ہو، سول بیوروکریسی ہو، صنعت کار طبقہ ہو، بڑے زمیندار ہوں یا سرمایہ دار ہوں، غرضیکہ سب ایلیٹ طبقات جن کو فیصلہ کن بالادستی حاصل ہے وہ مغرب زدہ اور سیکولر سوچ و فکر کے حامل ہیں۔

ہماری احیائی تحریکوں کی بھی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ان کی دعوت مڈل کلاس میں تو کافی پھیلی ہے لیکن اپر کلاس کے اندر کوئی خاص اثر و نفوذ حاصل نہیں کر سکی۔ نتیجتاً اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بالاتر طبقات ذہناً سیکولر ہیں اور اپنی ثقافت، اپنی تہذیب، اپنی بود و باش، اپنے رہن سہن، اپنے لباس اور اپنی وضع قطع میں مغرب زدہ ہیں۔ دوسری جانب روایتی مذہبی جماعتیں ہیں۔ ان کے پاس سٹریٹ پاور تو موجود ہے اور وہ بھی خالص عقیدے سے تعلق رکھنے والے جذباتی ایشوز پر میدان میں آ سکتی ہے، لیکن چونکہ یہ آپس میں بٹی ہوئی ہے، لہٰذا ان مذہبی جماعتوں سے کسی مثبت اور تعمیری اعتبار سے بڑے اقدام کی کوئی توقع نہیں ہے۔

یہ ہیں ہمارے ملک کے وہ حالات جو افغانستان کے حالات سے بالکل مختلف ہیں اور اگر پاکستان میں افغانستان کی طرز پر تحریک شروع کرنے کی کوشش کی گئی تو راقم کے نزدیک اس کے تین امکانی نتائج ہیں۔ اولاً ایسی تحریک کو مکمل طور پر کچل دیا جائے گا یا ختم کر دیا جائے گا۔ کچھ عرصہ قبل مالاکنڈ میں ایسی ہی ایک کوشش کو فوج نے بذریعہ قوت کچل کر رکھ دیا تھا۔ اور اگر ایسی کوئی تحریک ملکی سطح پر شروع ہوئی اور اسے بذریعہ قوت ختم کیا گیا تو یہ پھر اس ملک میں اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے ایک بہت بڑا نقصان ہوگا۔

> جس طرح سیکولرازم کو زبردستی پاکستانی عوام پر تھوپا جا رہا ہے، اور شرم و حیا سے عاری مغربی تہذیب سے معاشرہ کو آلودہ کرنے کی مہم چلائی جا رہی ہے، اِس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہادِ افغانستان اور جہادِ کشمیر میں تربیت یافتہ لوگ منظم ہو کر تحریک شروع کر دیں، اور ملک میں بہت بڑے پیمانے پر خلفشار ہو جائے۔

طالبان طرز کی تحریک کی فضا شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان کے شمالی مشرقی کونے میں موجود ہے اور اگر پاکستان میں کہیں ''طالبانائزیشن'' کا کوئی امکان ہے تو صرف یہیں ہے۔ اور اگر یہاں طالبانائزیشن کو کامیابی حاصل ہوگئی تو اسی کا منطقی نتیجہ وہی ہوگا جس کا نقشہ کئی برسوں سے امریکی تھنک ٹینکس (Think Tanks) کھینچ رہے ہیں یعنی پاکستان کے حصے بخرے ہو جائیں گے، اور یہ دوسرا نتیجہ ملک کے مستقبل کے حوالے سے انتہائی خطرناک ہے۔

تیسرے امکانی نتیجے کے لیے موجودہ حکومت کے بعض اقدامات حالات سازگار بنا رہے ہیں۔ مثلاً سیکولرازم کو زبردستی پاکستانی عوام پر تھوپا جا رہا ہے۔ پاکستانی اداروں اور محترم شخصیات کے وقار کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ شرم و حیا سے عاری تہذیب سے پاکستانی معاشرے کو آلودہ کرنے کی باضابطہ مہم حکومتی سرپرستی میں جاری ہے۔ امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بننے کے لیے محکم روایات سے انحراف کے عمل کو پوری ڈھٹائی کے ساتھ جاری رکھا جا رہا ہے اور ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر میں ٹریننگ یافتہ لوگ منظم ہو جائیں اور وہ تحریک شروع کر دیں اور اس تحریک سے بڑے پیمانے پر خلفشار شروع ہو جائے۔ جس میں سب سے زیادہ پنجاب اور سندھ متاثر ہوں گے۔ اِس ممکنہ خراب صورت حال کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ بھارت امریکہ کی شہ پر پاکستان پر حملہ آور ہو جائے اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو یہ ویسا ہی معاملہ ہوگا جیسا کہ امریکہ نے صومالیہ کے خلاف ایتھوپیا کو استعمال کیا ہے۔

تاریخی اعتبار سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ، نظام اسلامی کے احیاء اور نظام خلافت کے قیام کے ضمن میں سورہ الفتح میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں وارد الفاظ **وکانوا احق واھلھا** یعنی ''وہ اس کے زیادہ حق دار ہیں اور اہل بھی ہیں'' کے مصداق سب سے بڑھ کر حق دار اور سب سے بڑھ کر اہل تو پاکستان ہی ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگوں سے بہت بڑے بڑے Blunder ہوئے جس کے نتیجے میں نفاذ اسلام کے حوالے سے عملاً کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے عوام میں منطقی طور پر بددلی، مایوسی اور Frustration پیدا ہو گئی۔ چنانچہ کبھی پاکستان میں یہ بات زور و شور سے اُٹھی کہ پاکستان کو بھی ایک خمینی کی ضرورت ہے اور اب بعض حلقے یہاں بھی طالبانائزیشن کی بات کر رہے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ خمینی ارض ایران نے پیدا کیا اور وہ ایران میں اپنا کردار ادا کر گیا۔ ملا عمر بھی افغانستان میں آیا تھا، لہٰذا باہر کی شخصیت کسی جگہ Import ہو کر کام نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی شخصیت اُٹھی تو اسی سرزمین سے اُٹھے گی اور پاکستان میں ''ایرانی نظام'' کارگر ہے اور نہ ''طالبانائزیشن''۔ یہاں اگر کبھی اسلام کی جانب پیش رفت ہوئی تو نتیجتاً حقیقی ''اسلامائزیشن'' کا قیام ہوگا ان شاء اللہ۔ پاکستان میں طالبائزیشن نہیں، اسلامائزیشن کی ضرورت ہے۔ (شائع شدہ ''جنگ'')

✿✿✿✿✿✿

تو جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے

بنت امید

بے شک کسی کو عزت دینا یا کسی کو ذلت کا لباس پہنانا، اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ (آل عمران: 26)

''اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔''

یہ اللہ رَبّ العزت کی قدرت ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک چیز کو کسی کے لئے باعث عزت بنا دیتا ہے اور کسی کے لئے باعث ذلت، کسی کے لئے اچھا بنا دیتا ہے اور کسی کے لئے برا۔ کسی کے لئے باعث خیر بنا دیتا ہے اور کسی کے لئے باعث شر۔ مثال اس کی ایسے ہے جیسے بارش کا پانی جو زرخیز زمین کے لئے تو باعث رحمت ہے اور دلدلی زمین کے لئے باعث زحمت، یا سورج کی روشنی جو ویسے تو تمام مخلوقات کے لئے ایک نعمت ہے لیکن کچھ مخلوقات ایسی بھی ہیں جنہیں سورج کی روشنی میں نظر نہیں آتا بلکہ سورج غروب ہونے کے بعد نظر آتا ہے۔ اور پھر سب سے بڑی مثال قرآن حکیم ہے جو عروج کا ذریعہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور زوال کا باعث ہے ان لوگوں کے لئے جو اس سے منہ موڑنے والے ہیں۔ اگر ملکی حالات کو دیکھا جائے تو چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے خلاف صدارتی ریفرنس سے جس طرح اقتدار پر صدر مشرف کی گرفت کمزور ہوئی ہے، اُس سے واضح ہے کہ وہ چیف جسٹس کی نیک نامی، اور جنرل مشرف کے لئے عوامی غصے اور نفرت کا باعث بنا ہے۔ جنرل مشرف سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ریفرنس کی وجہ سے حالات اتنی بری طرح کروٹ لیں گے، مگر وہ جو کہتے ہیں ؎

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

پاکستان کے عوام کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو حادثہ کی جگہ یہاں پر واقعہ کا لفظ استعمال کرنا چاہیے، لیکن خواص کے حوالے سے لفظ حادثہ انگوٹھی میں نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے۔ کون جانتا تھا کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں، صرف ایک غلط فیصلے کی وجہ سے ہل جائیں گے اور حالت یہ ہو جائے گی کہ ؏ ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا۔

جب اللہ کے حکم سے کوئی بڑا حادثہ رونما ہوتا ہے، تو اس کی پیش بندی بہت پہلے سے کی جاتی ہے، جو ہماری ناقص عقلوں میں سما نہیں سکتی۔ ہم پر اسرار تب منکشف ہوتے ہیں، جب نتیجہ دیکھنے کے بعد ہم تانے بانے ملاتے ہیں۔ نواز شریف کی اقتدار سے جبری رخصتی، ملک پر فوجی اقتدار، روشن خیالی کی طرف پیش قدمی، روشن خیالی سے لادینیت کی طرف چھلانگ، ظلم و ناانصافی کی طرف سے چشم پوشی، پاکستانی عوام کی فروخت و نظر بندی اور نج کاری کے نام پر تھیلے۔ کڑی سے کڑی ملاتے جائیں تو نتیجہ بالآخر چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور پھر سب نے دیکھا کہ حالات نے ایک دم

چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس کے بعد حالات نے ایک دم یوٹرن لیا۔ وہ لاوا جو جانے کب سے پک رہا تھا، اچانک اسے باہر نکلنے کا راستہ مل گیا۔ وہ قوم جو بے حسی کی نیند سو رہی تھی، یوں لگا کہ جیسے بیدار ہو رہی ہے۔ عوام کے ریلے نے خوش گمانوں کے قدم اکھاڑ دیئے

یوٹرن لیا۔ وہ لاوا جو جانے کب سے پک رہا تھا، اچانک اسے باہر نکلنے کا راستہ مل گیا۔ وہ قوم جو بے حسی کی نیند سو رہی تھی، یوں لگا کہ جیسے بیدار ہو رہی ہے۔ عوام کے ریلے نے خوش گمانوں کے قدم اکھاڑ دیئے۔

لیکن ایک اور چیز جو قدرت کے طریقۂ کار کی طرف متوجہ کرتی ہے وہ یہ کہ اسٹیل مل کا وہ کیس جس کا فیصلہ چیف جسٹس نے انتہائی جرأت سے دیا تھا، بظاہر ایسا لگا کہ جیسے وہ ہی ان کے گلے پڑ گیا۔ پھر اللہ کی قدرت دیکھئے کہ داؤ الٹا ہو گیا اور چیف جسٹس صاحب عزت و شہرت کی ان بلندیوں پر پہنچ گئے جہاں تک لوگ کروڑوں روپے خرچ کر کے اور زندگی کا بڑا حصہ لگا کر بھی نہیں پہنچ پاتے۔ ؏ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ اگر قدرت حالات کو بدلنے کی منصوبہ بندی خود نہ کرتی تو آئندہ آنے والے وقتوں میں کسی کو بھی طاقتور کے خلاف سچ کہنے کی ہمت نہ ہوتی، اور عدلیہ ہمیشہ کے لئے اپنے آقاؤں کے ماتھے کے بل گن کر فیصلہ کرنے کی پابند ہو جاتی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ فیصلہ تو طاقتوروں کے خلاف ہو گیا مگر خفیہ ہاتھوں کو بے نقاب نہیں کیا گیا۔ پردہ نشینوں کا پردہ رکھنا ایک غلطی ثابت ہوئی اور پھر وہی ہوا جو ہوتا ہے، یعنی شیر کو زخمی کر کے آزاد چھوڑ دینا خطرناک ثابت ہو گیا۔

بہرحال اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام نے جو امید باندھی ہے اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ کیا چیف جسٹس صاحب عوام کے خوابوں کو تعبیر دینے کی ذمہ داری اٹھانا قبول کریں گے؟ اور اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو کیا وہ واقعی ان امیدوں پر پورا اتر سکیں گے؟ کیا کرسی کی کشش اور مال و دولت کی چمک اور حکمرانی کا سرور ان کو بھی مدہوش نہیں کر دے گا؟ کیا وہ لادینیت کی طرف جاتے ہوئے اس ارضِ پاک کو یوٹرن دلا سکیں گے؟ کیونکہ یہ بات تو واضح ہے کہ وہ سیاستدان نہیں اور نہ ہی اقتدار کا لالچ انہیں میدان میں لایا ہے۔ یہ تو قدرت خود کشاں کشاں ان کو ایک مخصوص راستے پر لئے جا رہی ہے۔

بہت عرصے پہلے کی ایک خواہش ذہن میں جاگی کہ کاش! کوئی ایسا حکمران پاکستان کو نصیب ہو جو اقتدار کی امانت کو ایک بہت بھاری ذمہ داری سمجھتے ہوئے خود اٹھانے کا خواہش مند نہ ہو، مگر عوام بغیر کسی دباؤ کے ان کی منت کر کے انہیں اس منصب پر سرفراز کریں۔ شاید کہ اس بھولی بسری خواہش کے پورا ہونے کا وقت قریب آ رہا ہو۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

❁ ازروئے قرآن حکیم ہمارا دینِ کیا ہے؟
❁ ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
❁ نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I II III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-5869501

وقتِ توبہ

ابواکرام

بے بسی بے چارگی کا دوسرا نام ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے، جس میں انسان کو کوئی راہ بجھائی نہیں دیتی۔ وہ اس کیفیت سے نکلنا چاہے، تو نکل نہیں سکتا، کیونکہ وہ بند گلی میں محصور ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ کیفیت جب ایک عام آدمی کی ہو، تو اس کا اثر اس شخص کی ذات سے ہوتا ہے، اور یہ اسی کی زندگی تک محدود ہوتی ہے، مگر جب کوئی حکمران اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے تو اس کی بے بسی تاریخ کا ایک عبرتناک باب بن جاتی ہے، اور تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی ہے۔ ماضی سے ہم یہاں دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

وقت کا عظیم فاتح بایزید یلدرم جس نے یورپ میں فتوحات کے جھنڈے گاڑے، امیر تیمور کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے۔ فاتح سپاہ رات کو فتح کا جشن مناتی ہے۔ اِس جشن میں مفتوح بادشاہ بایزید کو بھی زبردستی لایا جاتا ہے، اور اُسے تیمور کے ساتھ بٹھایا جاتا ہے۔ تیمور کے حکم سے بایزید کے سامنے اس کے حرم کی کنیزیں بے پیرہن کی جاتی ہیں۔ اور اِس حالت عریانی میں وہ تاتاری فاتحوں کو شراب کے جام اور کباب پیش کرتی ہیں۔ وہ سیمیں بدن عورتیں جو کبھی بایزید کی آغوش کی زینت رہی تھیں، اور جنہوں نے پہلے کبھی چار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھا تھا، آج اپنے مرمریں پیکروں کے ساتھ نیم برہنہ حالت میں فاتح فوج کے سامنے گھوم رہی ہیں۔ بایزید کی آنکھیں یہ منظر دیکھ رہی ہیں۔ شدید کرب کی وجہ سے اُس کے بھاری بھرکم جسم پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ اُس کے اندر نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، مگر...... وہ کر ہی کیا سکتا ہے۔ وہ مجبور ہے، شکست خوردہ، بے بسی کی مجسم تصویر۔ ہوائیں اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہیں۔ بہاریں اس سے روٹھ چکی ہیں۔ لشکریوں اور سپاہ سے وہ محروم ہو چکا ہے۔ اس کا رعب ودبدبہ، ہیبت وجلال قصہ ماضی بن چکا ہے۔

ذرا سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار محمد سراج الدین کا حال دیکھو، جسے دنیا بہادر شاہ ظفر کے نام سے جانتی ہے۔ خوش آمدی وزیروں، مطلب پرست مشیروں اور درباریوں کے سبب اس کا یہ حال ہو چکا ہے کہ عظیم مغلیہ سلطنت کا آخری تاجدار، جس کے آباؤ اجداد نے یہاں صدیوں حکومت کی، انتہائی کسمپرسی کے عالم میں دہلی کے لال قلعے کو خیر باد کہتا ہے۔ اس کا اقتدار چھن چکا ہے۔ سلطنت پر فرنگی قابض ہو چکے ہیں۔ زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود اس پر تنگ ہو چکی ہے۔ اپنی بیوی اور بیٹوں کے ہمراہ مقبرۂ ہمایوں پر جاتا ہے، گریہ وزاری کرتا ہے۔ مگر کہیں بھی دھرتی اُسے پناہ دینے کو تیار نہیں۔ جنرل ہڈسن جو بادشاہ کو گرفتار کرنے کے مشن پر مامور ہے، بادشاہ اور اس کے بیٹوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔ شہزادوں کو قتل کر کے ان کا خون پیتا ہے۔ شہزادوں کے سر طشتری میں سجا کر بادشاہ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اور انگریز جنرل انتہائی حقارت آمیز لہجے میں بادشاہ سے مخاطب ہوتا ہے: لیجئے، یہ ہے آپ کی نذر جو بند ہو گئی تھی۔ ذرا سوچئے، اس بادشاہ کی انگریز سے نفرت اور جذبہ انتقام کا کیا عالم ہوگا، جس کا اقتدار، سلطنت، اور سب کچھ چھن چکا ہے، اور جس کے بیٹے بھی بے دردی سے ہلاک کر دیئے گئے ہیں، مگر وہ بے بس ہے، حسرت ویاس کی تصویر۔

> صدر مشرف نے شاید اس بات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا کہ وہ لوگ جو دھونس اور خطرہ کے سبب یا عہدہ واقتدار کی چمک دیکھ کر راتوں رات وفاداریاں تبدیل کریں، وہ ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔ ایسے عشاق پت جھڑ کے موسم میں ساتھ چھوڑ دیا کرتے ہیں

جنرل پرویز مشرف، آرمی چیف اور کرسئ صدارت پر فائز ہونے کے باوجود آج جس صورتحال سے دوچار ہیں وہ ان کی بے بسی کا اظہار ہے۔ اس بے بسی کا سبب ان کی وہ پالیسیاں اور اقدامات ہیں جو عوامی امنگوں اور ملک وقوم کے اساسی نظریے سے یکسر متصادم ہیں، اور پھر وہ مشیر ہیں جنہوں نے کل اپنے اقتداری مفادات کے لئے آنکھیں بند کر کے ان کا ساتھ دیا، اور اُن کے اقدامات کی پرجوش حمایت کی، مگر آج ہوا کا رخ دیکھ کر ان سے منہ موڑ رہے ہیں۔ آج ق لیگ، کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ وہ لوگ جو کل تک بار بار جنرل مشرف کو صدر منتخب کرنے کی باتیں کرتے نہیں تھکتے تھے، بدلتے موسموں میں ان کی ترجیحات تبدیل ہو رہی ہیں۔ اب انہی کی جانب سے بیانات آرہے ہیں کہ موجودہ اسمبلیوں سے صدر کا انتخاب نہیں ہوسکتا۔ ایک نشریاتی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق حکمران پارٹی کے ایک اہم رکن نے نام نہ بتانے کی شرط پر بتایا ہے کہ جو لوگ موجودہ اسمبلیوں سے صدر کے انتخاب کی بات کرتے ہیں وہ صدر کو سیاسی طور پر مروانا چاہتے ہیں۔ مسلم لیگ ق کے سنیئر نائب صدر کبیر واسطی کا بیان تو ریکارڈ ہے کہ مسلم لیگ کی اکثریت صدر کو باوردی صدر نہیں منتخب کرنا چاہتی۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ صدر مملکت مسلم لیگ کی کشتی کو ڈبو رہے ہیں۔ دردن خانہ اختلاف صدر کے انتخاب کے مسئلہ پر ہی نہیں بلکہ مقتدر جماعت کے بہت سے لوگ اپنی نجی محفلوں میں چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس، اور میڈیا کے خلاف محاذ کھولنے کے معاملے پر بھی صدر پر کڑی تنقید کر رہے ہیں۔ صدر کی حالت اس شعر کا مصداق بن چکی ہے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

جنرل مشرف آج حکمران پارٹی پر برس رہے ہیں کہ وہ اس کا دفاع نہیں کر رہی۔ انہیں شکوہ ہے کہ جب بھی ان پر مشکل وقت آتا ہے، وہ تنہا کھڑے ہوتے ہیں، مگر ہم ان سے دست بستہ سوال کرتے ہیں کہ آخر انہوں نے وہ پالیسیاں کیوں اپنائیں کہ جن کے سبب قوم ان سے اس قدر بیزار ہو گئی، کہ جیسے ہی انہوں نے چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس دائر کیا، قوم ان کے مقابل سینہ تان کر کھڑی ہو گئی۔ پھر کیا یہ ان کی بھول نہیں کہ ان کی

نگاہ میں ان لوگوں کی وفاداری معتبر ٹھہری، جو کل اُن کے حریف سیاسی قائدین پر مرمٹنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک بزرگ سیاسی رہنما جو دن رات محمد نواز شریف کے گن گایا کرتے تھے، جب ق لیگ قائم ہوئی تو اس کے ضلعی صدر بن گئے۔ ایک صحافی نے ان سے پوچھا: آپ اتنی جلدی بدل گئے؟ تو انہوں جواب دیا: کیا تمھیں نہیں معلوم کہ اصل مسلم لیگ وہ ہوتی ہے جو اقتدار کے ساتھ ہو، اقتدار سے باہر مسلم لیگ نہیں، چند پاگل ہوتے ہیں۔ صدر مشرف نے شاید اس بات کو کبھی درخور اعتناء نہیں سمجھا کہ وہ لوگ جو دھونس اور خطرہ یا عہدہ و اقتدار کی چمک دیکھ کر راتوں رات وفاداریاں تبدیل کریں، وہ نا قابل اعتبار ہوتے ہیں۔ ایسے عشاق پت جھڑ کے موسم میں ساتھ چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ ان کا کوئی مسلک و مشرب ہوتا ہے، اور نہ ہی کوئی قائد و رہنما! وہ مفادات کے اسیر ہوتے ہیں، اور چڑھتے سورج کے پجاری۔ مفاد پرست عناصر کی کمٹمنٹ نظریے یا اشخاص سے نہیں ہوتی، اپنے مفاد سے ہوتی ہے۔ سورج مکھی کا پھول حجم میں کافی بڑا ہوتا ہے، اور خوشنما دکھائی دیتا ہے مگر وہ یکسو نہیں ہوتا، سورج کے ساتھ ساتھ اپنی سمت تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یہی حال اس گروہ کا ہے جو جنرل صاحب کے گرد اکھٹا ہے۔ اگر وہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو گا کہ ہر دور میں غیر مقبول جابرانہ پالیساں اور حکمرانوں کے گرد خوشامدی ٹولہ ہی ان کے زوال کا باعث بنا ہے۔ اگر صدر محترم اس حقیقت کا ادراک کرتے تو آج یوں تنہائی محسوس نہ کرتے، اور انہیں یہ کہنے کی نوبت نہ آتی کہ میں پریشان ہوں۔

جناب صدر! اگر آپ زعم آگہی سے باہر نکل سکیں تو ہم یہ عرض کریں گے کہ دنیاوی سہاروں کا حال آپ نے دیکھ لیا، جن پر تکیہ تھا، وہی پتے آج ہوا دے رہے ہیں۔ اگر آپ مسائل کے گرداب سے نکلنا چاہتے ہیں تو خدارا! اس ذات کی طرف رجوع کیجئے جو ہم سب کا حقیقی سہارا ہے، اس مالک حقیقی کو منایئے جو میرا، آپ کا اور تمام جہانوں کا رب ہے۔ عزت ذلت، زندگی موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اقتدار عطا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے کرسی اقتدار سے محروم کر دیتا ہے۔ آرمی چیف کے طاقتور منصب پر فائز ہونے اور صدر مملکت کے عہدہ جلیلہ پر متمکن ہونے کے باوجود اگر آپ پریشان ہیں، تو پریشانی سے چھٹکارے کا یہی راستہ ہے۔ برسوں پہلے ایک مردِ دانش مند نے بڑی حکیمانہ بات کہی تھی:

”جب اپنا گھر سکون کا باعث نہ رہے تو وہ توبہ کا وقت ہوتا ہے۔“

صدر، ماسی اور صحبت علی

بی بی سی اردو ڈاٹ کام سے ماخوذ

وسعت اللہ خان

بجٹ کے موقع پر جاری ہونے والے اکنامک سروے کے مطابق میرے گھر پر کام کرنے والی ماسی، صحبت علی چوکیدار اور پرویز مشرف کی فی کس آمدنی اب نو سو چھبیس ڈالر سالانہ ہوگئی ہے۔ یعنی پاکستانی کرنسی میں چھیالیس سو تیس روپے ماہانہ۔ مجھے اس حکومتی دعویٰ پر اس لیے یقین ہے کیونکہ بجٹ تقریر میں ایک کارکن کی کم از کم تنخواہ بھی چھیالیس سو روپے ماہانہ مقرر کی گئی ہے۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ماسی میرے فلیٹ سمیت پانچ گھروں میں کل ملا کے بارہ گھنٹے کام کرتی ہے۔ ہر گھر سے اسے پانچ سو روپے ملتے ہیں اور یوں اسے مہینے کے ڈھائی ہزار روپے میسر آتے ہیں۔ صحبت علی چوکیدار رات سے صبح تک میرے کمپاؤنڈ میں دس گھنٹے ڈنڈا پکڑ کے گھومتا ہے اور اس کے عوض اس کمپاؤنڈ کی انتظامیہ ہر ماہ ساڑھے تین ہزار روپے دیتی ہے۔

صدرِ مملکت کی اوسط آمدنی بھی پاکستانی شہری کے طور پر نو سو چھبیس ڈالر ہوگئی ہے لیکن ان کی سیکیورٹی، آمدورفت، رہن سہن اور بربنائے منصب مراعات کے مجموعی ماہانہ اخراجات جتنے بھی بنتے ہیں، ان تک پہنچنے کے لئے صحبت علی چوکیدار اور کام والی ماسی کو تقریباً ایک ہزار برس تک بلا ناغہ کام کرنا پڑے گا۔

اس فرق کے بعد بھی صدرِ مملکت بطور ایک فوجی افسر چاہیں تو قومی ائرلائن کے طیارے اور ٹرین میں ٹکٹ کی دس سے پچیس فیصد قیمت کا رعائتی پاس بنوا کر سفر کر سکتے ہیں۔ ان پر ٹول ٹیکس کا بھی اطلاق نہیں ہوسکتا، جبکہ صحبت علی چوکیدار اور ماسی کو طیارے سے لے کر کوچ تک ہر جگہ پورا ٹکٹ دینا پڑے گا۔

آپ چاہیں تو میری اب تک کی تحریر پڑھنے کے بعد مجھے بلا تکلف ایک پاگل قرار دے سکتے ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ماسی، صحبت علی چوکیدار اور صدرِ مملکت کے موازنے کی کیا تک ہے۔ تینوں کرداروں کے ماحول، صلاحیت، قابلیت اور ذمہ داریوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ماسی اور صحبت علی نہ صرف ان پڑھ ہیں بلکہ غیر ہنر مند ہونے کے سبب صرف جسمانی محنت کرنے کے قابل ہیں۔ جبکہ خطرات میں گھرے صدرِ مملکت کے کاندھوں پر پورے ملک کا بوجھ ہے۔

میں آپ کے تمام ممکنہ اعتراضات بلا حجت تسلیم کرلوں گا۔ بس ایک درخواست ہے۔

آئندہ مجھے کوئی یہ نہ بتائے کہ شمالی افریقہ سے ایران تک کے علاقے پر حکمران عمر بن خطابؓ کی فی کس آمدنی اس بدو کے برابر تھی جس نے بھرے مجمع میں ان کے گریبان پر یہ کہہ کے ہاتھ ڈال دیا تھا کہ جب مالِ غنیمت میں سے میرے حصے میں صرف ایک چادر آئی تو تُو نے دو چادروں کا کرتا کیسے بنالیا۔

کوئی یہ قصہ نہ سنائے کہ جب خاتونِ اوّل نے بیت المال سے آنے والے راشن میں سے کچھ راشن بچا کر ایک دن میٹھے کی اضافی ڈش بنالی تو خلیفہ ابوبکرؓ نے گھر کے لیے سرکاری راشن کی مقدار ہی کم کروادی۔

کوئی مجھے یہ واقعہ سنا کر متاثر کرنے کی کوشش نہ کرے کہ حضرت علیؓ ایوانِ خلافت میں بھی جو کی سوکھی روٹی نرم کرنے کے لیے پانی میں بھگو دیتے تھے اور اسے کھاتے ہوئے بھی ان کا ہاتھ جواب دہی کے خوف سے لرزتا رہتا تھا۔

آپ بس امامِ کعبہ کو بلوا کر درازی اقتدار کی دعا کرواتے رہئے اور فی کس آمدنی نو سو چھبیس ڈالر سالانہ اور زرِ مبادلہ کے ذخائر پندرہ ارب ڈالر ہونے کی نوید سناتے رہئے۔

میں کبھی بھی صحبت علی اور ماسی کو نہیں بتاؤں گا کہ ان کی سالانہ آمدنی کتنی بڑھ چکی ہے۔ کہیں مانگ ہی نہ بیٹھیں۔

ترکی میں احیائے اسلام کا ایک اہم کردار:

پروفیسر نجم الدین اربکان

سید قاسم محمود

پچھلی قسط میں ذکر ہو چکا ہے کہ ترکی میں کمالی سیکولرازم کو جسٹس پارٹی نے بحال رکھا اور شیعوں نے بھی اپنی الگ سیاسی جماعت بنالی تو اِن حالات میں پروفیسر نجم الدین اربکان نے 1970ء میں نیشنل آرڈر پارٹی (این او پی) کی بنیاد رکھی جس کا ترکی نام ''ملی نظام پارٹی'' رکھا گیا۔

ترکی کی حالیہ تاریخ میں، اور خصوصاً سیکولرازم، مغربیت اور لامذہبیت کے خلاف اسلام کے احیاء کے لیے پروفیسر اربکان کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا اسلامی اخلاق کے منافی ہوگا۔ وہ 1926ء میں ترکی کی شمالی سرحد پر بحر اسود کے ساحلی شہر سینوب میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد محمد صبری بک سلجوقی سرداروں کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے دادا سلجوقی کابینہ کے آخری وزیر خزانہ تھے۔ اسی بنا پر اُن کا گھرانا ''ناظرزادہ'' یعنی ابنِ وزیر کہلاتا تھا۔ جب ترکی میں خطابات کا قانون صادر ہُوا تو اُنہیں اربکان کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔

پروفیسر اربکان کے والد نے استنبول سے قانون و شریعت کی ڈگری حاصل کی تھی اور اناضول کے علاقے میں چالیس برس تک سول اور شرعی جج کے منصب پر فائز رہے تھے۔ اپنے فرزند نجم الدین کی تعلیم و تربیت کی خود نگرانی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تعلیمی اور اخلاقی اعتبار سے فائق اور قابلِ احترام تھے۔ 1943ء میں ثانوی تعلیم مکمل کر کے استنبول کے انجینئرنگ کالج کے ٹیسٹ میں بیٹھے تو اتنے نمبر حاصل کر لیے کہ انہیں انجینئرنگ کے دوسرے سال میں داخلہ دے دیا گیا۔ 1948ء میں انہوں نے فرسٹ ڈویژن کے ساتھ کامیابی حاصل کی، تو یونیورسٹی ہی میں انہیں لیکچرار مقرر کر دیا گیا۔ 1951ء تک انہوں نے کئی تحقیقی مضامین لکھے اور پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی تیار کر کے پیش کر دیا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لی۔ اُسی سال اُن کی امتیازی قابلیت اور حُسنِ کارکردگی کی وجہ سے یونیورسٹی نے اُنہیں مغربی جرمنی کی آخن یونیورسٹی میں ٹینک سازی اور اُس کی ٹیکنالوجی میں مہارتِ خصوصی حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ 1952ء میں پی ایچ ڈی کی دوہری ڈگری لے کر ترکی واپس آ گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں ایسوسی ایٹ پروفیسر، اور پھر پورے پروفیسر منتخب کر لیے گئے۔

پروفیسر اربکان 1969ء تک استنبول یونیورسٹی سے وابستہ رہے اور اِس دوران میں اُن کے تحقیقی مضامین، صنعتی اور ٹیکنیکل شعبے میں سرگرمیاں عوام اور حکومت کے ایوانوں میں خراجِ تحسین وصول کرتی رہیں۔ انہوں نے اپنے احباب کے ساتھ مل کر کئی صنعتی ادارے اور کارخانے بھی قائم کیے، جس کی وجہ سے نوجوانوں کو روزگار فراہم ہُوا۔ انہوں نے اُن کے حوصلے بڑھائے۔ ڈاکٹر اربکان اِن کارخانوں کے ذریعے ترکی کو صنعتی لحاظ سے مستحکم اور خود کفیل بنانا چاہتے تھے اور قوم کے اندر اِس مزاج کی آبیاری کرنا چاہتے تھے کہ وہ اغیار کے محتاج اور دست نگر نہ رہیں اور اپنی محنت و صلاحیت سے صنعتی، تعلیمی اور اقتصادی میدانوں میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا حوصلہ پیدا کریں۔

> 1980ء پروفیسر اربکان کو اِس جُرم میں حوالۂ زنداں کر دیا گیا کہ انہوں نے سیاسی مقاصد کے لیے اسلام کو استعمال کیا تھا اور ملک کے سیکولر کردار کو چیلنج کیا تھا

یونیورسٹی کی تدریسی اور تحقیقی ذمہ داریوں کے ساتھ وہ 1956ء سے 1963ء تک محکمہ صنعت وحرفت کے ڈائریکٹر بھی رہے۔ 1967ء میں وہ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔

1968ء میں چیمبر کی صدارت کے لیے ایک ممتاز سیکولر لیڈر سری انور یاتور کے مقابلے میں وہ زبردست اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ اِس اعلیٰ اور حساس منصب کے لیے اُن کی کامیابی اور چیمبر کی صدارت رُوس اور امریکا دونوں کو پسند نہ آئی۔ کیمونسٹ رُوس، سرمایہ دار امریکا اور یہودی لابی نے اسے ایک خطرے کی گھنٹی تصور کیا۔ چنانچہ اُس وقت کے وزیراعظم سلیمان دیمرل کے توسط سے صدرِ مملکت سے شکایت کی گئی اور ساری طاقتوں نے مل کر دباؤ ڈالا کہ چیمبر کی صدارت سے ڈاکٹر اربکان کو رخصت کیا جائے۔

ڈاکٹر اربکان کی سرگرمیوں اور رویوں پر مشرقی و مغربی سامراجی طاقتوں اور ترکی کے سیکولر اکابرین کی نگاہ اُن کی طالب علمی کے زمانے ہی سے تھی، کیونکہ وہ ابتدا ہی سے دو چیزوں کے پابند تھے، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور ہر کام میں منصوبہ بندی۔ استاد فتحی یکن نے ترکی کی ''ملی نظام پارٹی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈاکٹر اربکان کو ترکی کی تاریخ، اصل مسئلے (سیکولرازم اور اسلام کی کشمکش) سے متعلق حقائق کا مکمل ادراک تھا۔ پروفیسر صاحب کا پختہ یقین بلکہ عقیدہ تھا کہ اسلام ہی نجات کی کشتی ہے جو نہ صرف ترکی کو بلکہ پوری انسانیت کو امن وامان اور سلامتی و کامرانی کے ساحل سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

چنانچہ پروفیسر اربکان کو چیمبر آف کامرس کی صدارت سے نہ صرف علیحدہ کر دیا گیا، بلکہ اُن سے بذریعہ پولیس فوری طور پر دفتر بھی خالی کرا لیا گیا۔ عوام کو اور خود اُنہیں بھی اِس سخت کارروائی کا اندیشہ نہ تھا، کیونکہ سلیمان دیمرل اور اُن کی جسٹس پارٹی نے کمال اتاترک کے جانشینوں کے برعکس مذہب اور دینی مدارس کے لیے نسبتاً اعتدال پسند رویہ اختیار کیا تھا، مگر اس غیر انسانی اور غیر اخلاقی سلوک کے بعد اسلام پسندوں کو اندازہ ہو گیا کہ دونوں سیاسی پارٹیاں ترکی کو اس کے تابناک ماضی اور عظیم ورثے سے محروم رکھنے میں برابر شریک ہیں۔ چنانچہ پروفیسر اربکان اور اُن کے رفقائے کار یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ وطن کے تحفظ، ترقی و فلاح اور رفاہ و بہبود کے لیے اور دشمنوں کے فکری، سیاسی، اقتصادی اور عسکری تسلط کے خلاف صف آراء ہونے کے لیے سیاست اور قانون کا میدان منتخب کیا جائے۔

1969ء کا الیکشن قریب تھا۔ پروفیسر اربکان نے جسٹس پارٹی کے ٹکٹ پر قونیہ کے حلقے سے الیکشن لڑنے کی گزارش کی، مگر پارٹی کی قیادت نے ٹکٹ دینے سے انکار کر

ملی نظام پارٹی کی جانب سے ایک اعلانیہ نشر کیا گیا، جس میں واضح الفاظ میں صراحت کی گئی کہ اس پارٹی کا رکن صرف وہی ہو سکتا ہے جو پنج وقتہ نماز کا پابند ہو اور اس کے صلاح، تقویٰ اور استقامت کے بارے میں اطمینان کرلیا گیا ہو

دیا۔ مجبور ہو کر وہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں کھڑے ہوئے۔ اُن کا انتخابی نعرہ تھا: ''عزیز وطن ترکی کے مقدس ورثے کے تحفظ کے لیے''۔ چنانچہ انہوں نے تاریخ ساز کامیابی حاصل کی۔ جلد ہی پارلیمنٹ میں انہوں نے اپنے ہم خیال احباب کا ایک محاذ قائم کرلیا اور 26 جنوری 1970ء کو ''ملی نظام پارٹی'' کے نام سے اپنی پارٹی بنالی۔ اس پارٹی کا نشان ''بند مٹھی'' تھا جو اتحاد واستحکام کی علامت تھا اور اس کی شہادت کی انگلی ہوا میں لہراتی ہوئی روشن مستقبل کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔

ملی نظام پارٹی کی جانب سے ایک اعلانیہ نشر کیا گیا، جس میں ترکی کے ماضی، حال اور مستقبل کا تجزیہ پیش کیا گیا اور واضح الفاظ میں صراحت کی گئی کہ اس پارٹی کا رکن صرف وہی ہو سکتا ہے جو پنج وقتہ نماز کا پابند ہو اور اس کے صلاح، تقویٰ اور استقامت کے بارے میں اطمینان کرلیا گیا ہو۔ پارٹی کا اولین مقصد ملک میں نظم وضبط، خوشحالی وترقی اور خیر وفلاح کو عام کرنا ہے۔ اعلانیہ کے آخر میں کہا گیا کہ ''اس کا مقصد اُمت کی عظمتِ رفتہ کا احیا ہے۔ یہ اُمت اخلاق وفضائل کے زبردست ذخیرے کی مالک ہے۔ اس کی تاریخ تابناک ہے۔ دورِ حاضر میں اس کا صاحبِ ایمان نوجوان یہ حوصلہ رکھتا ہے کہ وطنِ عزیز اور اس کے مسائل ومشکلات کو سمجھ کر اس کا مداوا کر سکے۔''

ترکی کے داخلی مسائل کو پروفیسر اربکان اور اُن کی ملی نظام پارٹی نے دو خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مادی اور روحانی۔ مادی شعبوں میں پارٹی کی تنقید دو چیزوں پر شدید تھی:

1۔ غیر ملکی سرمایہ اور غیر ملکی مارکیٹ پر ترکی معیشت کا انحصار
2۔ قومی آمدنی میں زبردست گراوٹ اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم

روحانیت اور معنویت کے میدان میں پارٹی کے نزدیک حکومت کی کارکردگی ابتر تھی:

1۔ پارٹی کے نزدیک ترکی دنیا کی واحد قوم تھی جس کا تعلیمی نظام قومی مقاصد کے حصول کے لیے شہری اور جوان پیدا کرنے میں ناکام تھا۔
2۔ اس کی تعلیمی پالیسی خود اپنی تاریخ وتہذیب کی تردید کے گرد گھومتی تھی۔

ترکی کا سیکولر اور مغربی نظام سیاست پروفیسر نجم الدین اربکان کی اسلامی فکر کو کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ چنانچہ ملی نظام پارٹی کی سخت تنقیدوں، بیانات اور اسلامی پالیسیوں کے خلاف عدالت میں سرکاری وکیل نے استغاثہ دائر کر دیا اور عدالت نے اس بنیاد پر پارٹی کو کالعدم قرار دے دیا کہ یہ ملک میں دستور کی سیکولر قدروں کی توہین وتذلیل کر رہی ہے، اور سیاسی جماعتوں کی تشکیل وترویج سے متعلق قانون کی صریح خلاف ورزی کر رہی ہے۔ چنانچہ ملی نظام پارٹی کی تشکیل کے صرف سترہ ماہ بعد ہی مئی 1971ء میں اسے خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔

ملی نظام پارٹی کے بارے میں زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں، تاہم مختلف حوالوں سے اتنی بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ مختصر مدت ہی میں پارٹی نے چھوٹے درجے کے تاجروں، صنعت کاروں اور علماء میں مقبولیت حاصل کر لی تھی اور اس کا دائرہ کار زیادہ تر اناطولیہ کے علاقے تھے۔ چنانچہ بعض تجزیہ نگاروں کی یہ بات کسی قدر درست معلوم ہوتی ہے کہ ملی نظام پارٹی پر بندش کی وجہ اس کی اسلامی سرگرمیوں اور عوامی مقبولیت کے علاوہ سیاست کے میدان میں اس کے دن بڑھتے ہوئے اثرات تھے، جس کی وجہ سے برسرِ اقتدار جماعت جسٹس پارٹی بھی اُسے اپنے لیے خطرہ تصور کرنے لگی تھی۔

ملی سلامت پارٹی (1973ء)

مئی 1971ء میں ملی نظام پارٹی کی اسلامی جدوجہد میں کسی قدر کامیابی اور عوامی مقبولیت سے گھبرا کر ترکی کی فوج نے انقلاب برپا کر دیا اور پارٹی کو خلاف قانون قرار دے کر اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگا دی تا کہ ملک کمالی سیکولرازم کی راہ پر گامزن رہے اور اسلامی نظام کی راہ ہموار نہ ہو سکے۔ بدلتے ہوئے حالات میں اسلامی احیائی تحریک کے سربراہ پروفیسر نجم الدین اربکان نے نئی حکمتِ عملی اختیار کی اور 11 اکتوبر 1972ء کو ''ملی سلامت پارٹی'' کے نام سے ایک نئی جماعت تشکیل دی۔

1973ء میں پارلیمانی انتخابات ہوئے تو ملی سلامت پارٹی نے اس میں حصہ لیا۔ گیارہ فی صد ووٹ حاصل کر کے اور 48 نمائندوں کو فتح یاب بنا کر پروفیسر نجم الدین اربکان نے ثابت کر دیا کہ اسلام سے محبت وعقیدت کا جذبہ ترکی قوم میں موجود ہے۔ 1974ء کے انتخابات میں پارٹی کے نمائندوں کی تعداد گھٹ کر نصف رہ گئی، لیکن اس کے سیاسی اثرات اتنے وسیع اور مستحکم ہو گئے تھے کہ متعدد بار اسے مخلوط حکومتوں میں شامل کیا گیا۔ 1970ء کے ایرانی انقلاب کا بھی اثر ترکی عوام پر پڑا اور مغرب کے خلاف نفرت اور اس سے جہاد کے جذبات ترکی کے مسلمانوں میں پھر پیدا ہوئے۔ ملی سلامت پارٹی اور اُس کے رہنما، خصوصاً پروفیسر نجم الدین اربکان قومی اور بین الاقوامی سطح پر ایک بار پھر ہر دل عزیز اور سوالیہ نشان بن گئے اور ترکی میں اسلامی انقلاب کی دھمک سنائی دینے لگی کہ 12 ستمبر 1980ء کو فوج نے انقلاب برپا کر کے عوامی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ پارلیمنٹ توڑ دی اور اقتدار پر قابض ہو کر اسلام پسندوں کے خلاف قانونی اور سیاسی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ پروفیسر اربکان کو اس جرم میں حوالۂ زنداں کر دیا گیا کہ انہوں نے سیاسی مقاصد کے لیے اسلام کو استعمال کیا تھا اور ملک کے سیکولر کردار کو چیلنج کیا تھا۔ تاہم فوجی جرنیلوں کو اس بات کا اچھی طرح احساس ہو گیا کہ اب پچھلی تین دہائیوں سے ترکی سیاست میں جو ارتقاء ہوا ہے اور اسلام سے محبت وعقیدت کے جذبات میں جو تیزی آئی ہے، اُسے زیادہ دیر تک دبایا نہیں جا سکتا۔

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر 50 سالہ اسسٹنٹ پروفیسر کے لیے دینی مزاج کی حامل، تعلیم یافتہ، ادھیڑ عمر سنجیدہ مزاج رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے۔

برائے رابطہ: محمد یونس جنجوعہ: 042:5173537

دعائے مغفرت کی درخواست

- امیر تنظیم اسلامی لاہور وسطی مجیب الرحمٰن قریشی کی بیٹی اور ناظم دعوت عمران حمید کی اہلیہ محترمہ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں۔
- تنظیم اسلامی کے سینئر رفیق محمد اسلم قاضی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین اور احباب سے بھی دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

کانٹے کا درد

جاوید چودھری

ہمارے خزانہ کے وزیر مملکت جناب عمر ایوب بڑے فخر سے بجٹ 08-2007ء کا اعلان فرما رہے تھے اور مجھے شیخ سعدیؒ کی ایک حکایت یاد آ رہی تھی۔ پرانے زمانے کا ایک بادشاہ کشتی میں سوار تھا۔ کشتی میں ایک ایسا غلام بھی موجود تھا جو پہلی بار پانی پر سفر کر رہا تھا۔ غلام بہتا پانی دیکھ کر بڑا ''ایکسائیٹڈ'' ہو رہا تھا اور کشتی میں دھما چوکڑی مچا رہا تھا۔ اس کی حرکات سے بادشاہ اور وزراء ''ڈسٹرب'' ہو رہے تھے۔ بادشاہ نے ہیڈ غلام کو طلب کیا اور اس کے کان میں کوئی سرگوشی کی۔ ہیڈ غلام نے جونیئر غلام کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ غلام کو تیرنا نہیں آتا تھا، وہ غوطے کھانے لگا، جب وہ غوطے کھا کر ہلکان ہو گیا تو شاہی تیراک اسے کشتی میں واپس اٹھا لائے، غلام نے شرمندگی سے آگے پیچھے دیکھا اور ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ گیا، یہاں پہنچ کر حکایت ختم ہو گئی۔ شیخ سعدیؒ کا کہنا تھا جب تک کسی کو پانی کی سنگینی کا اندازہ نہ ہو، وہ اس وقت تک اسے شغل سمجھتا رہتا ہے۔

عمر ایوب صاحب بڑے فخر سے فرما رہے تھے ہم نے غیر ہنر مند کارکنوں کی تنخواہ 4000 سے بڑھا کر 4600 کر دی ہے اور ہم ملک میں پانچ ہزار نئے یوٹیلٹی سٹورز بنائیں گے اور یہ پاکستان کی تاریخ کا شاندار ترین بجٹ ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں سوچ رہا تھا بے چارے عمر ایوب کا کوئی قصور نہیں۔ اس نے کبھی غربت کے دریا میں ڈبکی نہیں کھائی، چنانچہ اسے غربت کی سنگینی کا اندازہ نہیں۔ ان کے دادا فیلڈ مارشل قسم کے صدر تھے۔ ان کے والد سونے کا اپنا چمچ لے کر پیدا ہوئے تھے اور عمر ایوب اس اقتدار کی ''تھرڈ جنریشن'' ہیں، ان کے پاؤں نے زندگی میں کبھی مٹی کا ذائقہ نہیں چکھا، ان کی گنتی ملین سے شروع ہوتی ہے اور ایک سیکنڈ بعد بلین میں پہنچ جاتی ہے اور وہ ڈالرز میں سوچتے اور پاؤنڈز میں بات کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ جب بھی فورتھاؤزنڈ اینڈ سکس ہنڈرڈ کہتے ہیں تو ان کے دماغ میں روپے کی جگہ ڈالرز آ جاتے ہیں اور وہ بڑی حیرت سے سوچتے ہیں کہ اگر ٹام، ڈک اور ہنری تو تھاؤزنڈ ڈالرز میں لاس اینجلس میں ٹھیک ٹھاک گزارہ کر سکتے ہیں تو یہ ماجھے، گامے اور ساجھے فورتھاؤزنڈز اینڈ سکس ہنڈرڈز میں خوش کیوں نہیں ہیں؟ اس وقت یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں ایک فضول خرچ قوم کی عنان اقتدار ہے اور پاکستان عوام ناشکرے بھی ہیں اور احسان فراموش بھی! ایسا کیوں ہے! ہمارے حکمرانوں اور عوام میں اتنا فرق کیوں ہے؟ ہمارے عوام فورتھاؤزنڈ اینڈ سکس ہنڈرڈ پر خوش کیوں نہیں ہوتے؟ شاید یہ غوطوں کا فرق ہو۔ شاید ہمارے حکمران زندگی کی اس سطح سے واقف نہ ہوں جس میں لوگ ایک آم، ایک خربوزے، ایک خوبانی اور ایک بوٹی کو ترس ترس کر زندگی گزارتے ہیں، جس میں رہنے والے لوگوں کی انگلیاں پوری زندگی ہزار روپے کے نوٹ کو نہیں چھو پاتیں، جو کبھی ایک پاؤ سے زائد دودھ نہیں خریدتے، جن کی جھگیوں، کچے کوٹھوں اور ٹوٹے مکانوں میں بیماری کا دوسرا نام موت ہوتا ہے اور جو زندگی کو ایک ایک گھنٹہ کر کے گزارتے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمارے حکمرانوں اور عوام

> یقین کیجئے، جب تک عمر ایوب جیسے لوگوں کو غربت میں ڈبکی نہیں دی جائے گی اور جب تک ان کی مراعات سلب نہیں ہوں گی اس وقت تک یہ لوگ حقیقی بجٹ تیار نہیں کر سکیں گے۔ اس وقت تک انہیں پانی کی سنگینی اور غوطوں کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوگا

میں غوطوں کا فرق موجود ہے اور جب تک ہمارے حکمران زندگی کو اس سطح سے نہیں دیکھتے، جب تک یہ لوگ محلوں سے نکل کر جھگیوں تک نہیں پہنچتے، اس وقت تک یہ لوگ ڈالر اور روپے کا فرق نہیں سمجھ سکیں گے، اس وقت تک یہ لوگ حقیقی بجٹ نہیں بنا پائیں گے۔

دنیا میں اس وقت حقیقی اور عوامی بجٹ بنانے کے صرف دو طریقے ہیں، ایک اسلامی طریقہ ہے اور دوسرا مغربی طریقہ۔ یہ دونوں طریقے اپنی اپنی جگہ لاجواب ہیں اور انسانوں نے ان دونوں کی مدد سے بے مثال ترقی کی۔ ان دونوں طریقوں میں تین خوبیاں مشترک ہیں۔

ان کی پہلی خوبی یکساں حقوق ہیں۔ اسلام نے جو حقوق خلیفہ کو دیئے تھے، وہی حقوق ایک عام بدو اور ایک عام غلام کو بھی حاصل تھے۔ اسلام میں مدینہ کے شہریوں اور سندھ کے جزیہ گزاروں کے حقوق برابر تھے۔ بالکل اسی طرح آج امریکہ، یورپ اور مشرق بعید کے ممالک میں صدر، وزیراعظم اور شہنشاہ کے حقوق عام شہری کے برابر ہیں۔ اگر امریکہ میں صدر سرکاری خرچ سے مفت علاج کرا سکتا ہے تو عام شہری بھی اسی ہسپتال اور انہیں ڈاکٹروں سے مفت علاج کرائے گا۔ اگر وہاں صدر، وزیراعظم اور شہنشاہ کے بچے اچھے سکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں تو عام شہریوں کے بچے بھی انہیں تعلیمی اداروں میں تعلیم پاتے ہیں، لہٰذا جب وہاں تعلیم یا صحت کی کسی سہولت میں اضافہ ہوتا ہے تو صدر سے لے کر ٹام اور ڈک تک سب اس سے یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دوسری مشترکہ خوبی مفت پر پابندی تھی۔ اسلام حکمران کو کوئی چیز مفت فراہم نہیں کرتا تھا۔ اسلام میں اگر عام شہری اپنے چراغ میں بازار سے تیل خرید کر ڈالتا تھا تو خلیفہ سے لے کر وزیر تک سب عمائدین سلطنت بھی بازار سے تیل خریدتے تھے۔ چنانچہ اسلامی ریاست میں جب تیل کی قلت ہوتی تھی یا تیل کے نرخ بڑھتے تھے تو غلام سے بادشاہ تک سب یکساں متاثر ہوتے تھے۔ بالکل اسی طرح آج یورپ، امریکہ اور مشرق بعید کے تمام ترقی یافتہ ممالک میں حکمرانوں کو کوئی سہولت مفت حاصل نہیں۔ صدر بش ہو، ٹونی بلیئر ہو یا ہوجن تاؤ سب کو بجلی کے بل خود ادا کرنا پڑتے ہیں، پارٹی اور گیس کے پیسے اپنی جیب سے دینا پڑتے ہیں۔ وہ اپنی جیب سے ڈبل روٹی اور دودھ خریدتے ہیں اور ان کے اہل خانہ اور بچوں کو بسوں، ٹرینوں اور ہوائی جہازوں کے ٹکٹ خریدنا پڑتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں جب بجلی مہنگی ہوتی ہے، پانی کی سپلائی معطل ہوتی ہے یا بس کے ٹکٹ میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا نیچے سے اوپر تک اثر جاتا ہے۔ لہٰذا جب ترقی یافتہ ملکوں میں بجٹ بنتا ہے تو حکمران یہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے کوئی غلط پالیسی بنائی تو اس کا اثر اگلے ہی دن ان کے گھر پہنچ جائے گا۔

اسلام اور ترقی یافتہ معاشروں کی تیسری مشترک خوبی حکمرانوں اور عوام کے لیونگ سٹینڈر میں قربت ہے۔ اسلام میں خلیفہ کا گھر آبادی کے درمیان میں ہوتا تھا۔ خلیفہ عام لوگوں میں رہتا تھا۔ خلیفہ کے وزیر اور گورنر بھی اس کی طرح عام آبادیوں میں رہتے تھے۔ وہ قطار میں کھڑے ہوتے تھے اور غلام کے ساتھ باری باندھ کر سواری کرتے تھے۔ اس وقت ترقی یافتہ اقوام کا حکمران طبقہ بھی اسی فلسفے پر کاربند ہے۔ یہ

لوگ عام لوگوں کے ساتھ عام زندگی گزارتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے حکمران قانوناً اپنے آبائی علاقوں اور حلقوں میں جانے اور رہنے کے پابند ہیں۔ صدر بش مہینے میں دو دن ٹیکساس میں گزارتے ہیں اور وہاں کی عام سڑکوں پر سفر کرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں تمام شہریوں کے لئے ہفتے میں دو چھٹیاں لازم ہیں۔ ہفتے اور اتوار کو حکمران طبقے کے ڈرائیور، ویٹر، شیف، مالی اور چوکیدار بھی چھٹی کرتے ہیں، لہٰذا ترقی یافتہ ممالک کے حکمرانوں کو ہفتے میں دو دن اپنا کام خود کرنا پڑتا ہے۔ انہیں قطار میں لگ کر خریداری کرنا پڑتی ہے۔ اپنی گاڑی خود چلانی پڑتی ہے اور اپنا کھانا خود پکانا پڑتا ہے، یہ لوگ کسی ملازم کو ہفتے اور اتوار کے دن جبراً اپنے پاس نہیں روک سکتے۔ اگر یہ ایسا کریں تو اس کی پاداش میں ان کی حکومت تک جا سکتی ہے، امریکہ اور یورپ میں جب بھی سیاستدانوں کا پروفائل بنتا ہے تو دیکھا جاتا ہے، یہ سیاستدان کس محلے، کس شہر میں رہتا ہے، یہ ہفتے میں کتنے دن پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتا ہے اور اس کے بچے کس سکول میں پڑھتے ہیں۔ اگر وہ سیاستدان عام آبادی سے دور کسی مہنگی جگہ میں رہتا ہو، وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال نہ کرتا ہو اور اس کے بچے عام سکولوں میں نہ پڑھتے ہوں تو اسے ووٹ نہیں ملتے۔

یہ وہ تین خوبیاں ہیں جو اسلامی مملکت اور ترقی یافتہ ممالک میں مشترک ہیں اور یہی وہ تین اصول ہیں جن کے ذریعے قومیں ترقی کرتی ہیں، لیکن بدقسمتی سے ہم اسلامی معیار پر پورے اترتے ہیں اور نہ ہی یورپی سٹینڈرڈ پر۔ ہم لوگ سماجی منافقت کے اس اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں جس میں ان لوگوں کو غریب عوام کا بجٹ بنانے کی ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے جو ٹوتھ پیسٹ تک مفت حاصل کرتے ہیں، جن کے بچوں کو پیمپر تک حکومت فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو 4600 روپے زیادہ لگتے ہیں۔ یہ چھ سو روپے کے اضافے کو بھی ہمالیہ سمجھتے ہیں۔ یقین کیجئے جب تک عمر ایوب جیسے لوگوں کو غربت میں ڈبکی نہیں دی جائے گی اور جب تک ان کی مراعات سلب نہیں ہوں گی اس وقت تک یہ لوگ حقیقی بجٹ تیار نہیں کر سکیں گے۔ اس وقت تک انہیں پانی کی سنگینی اور غوطوں کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوگا۔ سیانے کہتے ہیں کانٹے کا درد صرف اسے معلوم ہوتا ہے جس کے تلوں میں وہ پیوست ہوتا ہے، باقی دیکھنے اور سننے والے اسے انٹرٹیمنٹ سمجھتے ہیں۔ میں جب بجٹ دیکھ رہا تھا تو مجھے محسوس ہو رہا تھا، ہماری پارلیمنٹ میں بیٹھے لوگ بھی 16 کروڑ عوام کے کانٹوں کو انٹرٹیمنٹ سمجھ کر محظوظ ہو رہے ہیں، وہ بھی کانٹے کے درد پر تالیاں بجا رہے ہیں، لہٰذا اللہ کے لئے کسی طرح ان کے پاؤں میں بھی کانٹا چبھوئیں، انہیں بھی درد کا احساس دیں، ورنہ یہ اسی طرح چھ سو روپے پر تالیاں بجاتے رہیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

قابل غور

موجودہ تعلیمی پالیسی کے تحت

امتحانات اور تعطیلات کا شیڈول

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

سالہا سال تک ہمارے سکولوں کا امتحانی نظام ایسا رہا کہ مڈل کا امتحان فروری کے پہلے ہفتے میں اور میٹرک کا امتحان مارچ کے آغاز میں منعقد کیا جاتا۔ اسی طرح سکول کی باقی کلاسوں کے امتحانات مارچ میں ہو جاتے اور ہر سکول 31 مارچ کو نتیجے کا اعلان کرتا۔ نتیجے کے اعلان کے ساتھ ہی سکول ایک ہفتے کے لئے بند ہو جاتے۔ جس کا فائدہ یہ ہوتا کہ ان چھٹیوں میں طلبہ امتحان کی تیاری کی تھکاوٹ دور کرتے اور اگلی جماعت کی کتابیں خرید لیتے۔ جب سکول کھلتے تو نئی کلاسوں کی پڑھائی شروع ہو جاتی۔ پھر جون کے پہلے عشرے میں سکولوں میں گرمیوں کی چھٹیاں ہو جاتیں۔ اب تک طالب علموں نے اپنے کورس کا جتنا حصہ پڑھ لیا ہوتا، اُس پر مشتمل بچوں کو سکول کا کام دیا جاتا۔ بچے گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران جہاں کھیل کود میں وقت گزارتے یا اپنے عزیز و اقارب کے ہاں ملنے کے لئے جاتے، وہاں ساتھ ساتھ چھٹیوں کا کام بھی کرتے۔ اس طرح امتحان اور چھٹیوں کا یہ نظام بڑے اچھے طریقے سے چل رہا تھا۔

سچ ہے کہ جہاں دیگر امور میں ہمارے حکمران امریکہ اور یورپ سے راہنمائی لیتے ہیں وہاں ہماری تعلیمی پالیسی بھی انہیں کی مرضی سے انجام پا رہی ہے۔ اور اس میں تعلیم کا ستیاناس کر دینے والی تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں۔ نصاب میں کی گئی بنیادی نوعیت کی مہلک تبدیلیوں سے قطع نظر صرف امتحانی نظام اور چھٹیوں کے پروگرام کو دیکھئے، اِس سے یہی نظر آتا ہے۔ اب تبدیل شدہ نظام کے تحت سکولوں کے امتحانات مئی میں ہو رہے ہیں۔ جون کے آغاز میں نتیجہ کا اعلان اور ساتھ ہی سکول موسم گرما کی تعطیلات کے لئے بند ہو گئے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ فروری مارچ کا معتدل موسم چھوڑ کر مئی کا مہینہ امتحانات کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ مئی سخت گرمی کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں سخت گرمی کی وجہ سے نہ تو بچے صحیح طور پر امتحان کی تیاری کر سکتے ہیں اور نہ اتنی شدید گرمی میں اچھے طریقے سے امتحان دے سکتے ہیں۔ ہمارے دیہاتی سکولوں میں بجلی کی سہولت بھی میسر نہیں اور جہاں بجلی موجود ہے، وہاں لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بجلی بند ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت حال میں پسینے سے شرابور بچے کس طرح امتحان میں اچھی کارکردگی دکھا سکتے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ قوم کے بچوں کو مشکل میں ڈال کر ہمیں کیا فائدہ مل رہا ہے۔ یہی نا کہ ہم اپنے آقاؤں کو بتا سکیں کہ ہم آپ کے دست بستہ غلام ہیں اور آپ کی خوشنودی کی خاطر اپنے وطن کے نونہالوں کے مفاد کو قربان کر سکتے ہیں۔

سکول میں نتیجے کا اعلان ہوتے ہی سکول گرمیوں کی چھٹیوں کے لیے بند ہو گئے ہیں۔ بچوں نے نہ اگلی جماعت کی کتابیں خریدیں اور نہ ہی سکول میں اُن کا کچھ حصہ پڑھا۔ لہٰذا اب بچے چھٹیاں بالکل بے کار گزاریں گے بلکہ پہلے پڑھا ہوا بھی بھول کر سکول جائیں گے۔ البتہ شہروں کے بچے نئی کتابیں خرید کر سمر سکول یا اکیڈمیاں جائن کر لیں گے۔ جہاں والدین بھاری فیسیں دیں گے اور بچے گرمیوں کی چھٹیوں میں سخت گرمی سے بھی نہ بچ سکیں گے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں بھی اگر فائدہ ہے تو اکیڈمیوں کے مالکان کا جن کا مقصد تعلیم دینا کم ہے اور مال بنانا زیادہ۔

جس طرح تعلیمی سال کا آغاز سکولوں میں یکم اپریل سے ہوتا تھا اور 31 مارچ نتیجے کے اعلان کا دن ہوتا تھا، اسی طرح سکولوں میں امتحانات مارچ کے مہینے میں منعقد ہوتے تھے۔ ہمارے ہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے یہ مہینہ امتحانات کے لئے موزوں ترین ہے۔ موسم معتدل ہوتا ہے، نہ گرمی نہ سردی، نہ پسینہ نہ پنکھوں کی ضرورت۔ قومی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سکولوں میں امتحانات مارچ میں منعقد کئے جائیں اور 31 مارچ کو ہر سکول میں نتیجے کا اعلان ہو۔ اپریل کا پہلا ہفتہ موسم بہار کی چھٹیاں ہوں۔ اپریل اور مئی میں سکولوں میں پڑھائی ہو اور جون سے سکول گرمیوں کی چھٹیوں کے لئے بند ہو جائیں۔ گویا تعلیمی سال حسب سابق یکم اپریل سے 31 مارچ تک ہو۔ کیونکہ ہمارے مخصوص موسمی حالات میں یہی زیادہ موزوں ترین صورت ہے۔

☆ بالوں میں خضاب یا مہندی لگانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ☆ کیا عورت مردوں کے ساتھ دفاتر میں کام کر سکتی ہے؟

☆ نماز باجماعت کے لیے امام کے انتخاب کا معیار کیا ہونا چاہیے؟

☆ اگر امام کا مسلک مختلف ہو تو اُس کی اقتدا میں نماز پڑھنی چاہیے یا الگ پڑھ لی جائے؟

پوچھے گئے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: دینی رسائل اور کتابوں میں اکثر و بیشتر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوتی ہیں، جن کو ہم بغیر وضو ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کو بغیر وضو ہاتھ لگانا منع ہے۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں کہ ایسے رسائل اور کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو ضروری ہے؟ (صوفی محمد صفدر)

ج: ایسی کتب و رسائل کو بغیر وضو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔

س: آج کل بازار میں بالوں کو رنگنے کے لیے مختلف قسم کے رنگ دستیاب ہیں۔ کیا سفید بالوں کو چھپانے کے لیے داڑھی اور بالوں کو رنگنا جائز ہے۔ اسی طرح بالوں میں خضاب یا مہندی لگانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

ج: خضاب لگانا سنت ہے اور آپ نے اس کا اپنی امت کو حکم دیا ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں: ''اِنَّ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَایَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ'' ''یہود و نصاریٰ خضاب نہیں کرتے، پس تم ان کی مخالفت کرو (اور خضاب کرو)''۔ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت خضاب کرتی تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ کے پاس ایک شخص آیا کہ جس نے اپنی داڑھی کو خضاب کیا ہوا تھا تو انہوں نے کہا: میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے ایک مردہ سنت کو زندہ کیا ہے۔ خضاب کے بارے میں وارد شدہ روایات میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ اِس طرح کی تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کا خضاب کرنا جائز ہے سوائے کالے رنگ کے۔ کالے رنگ کے خضاب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں، لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ محدث العصر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے جامع الترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر سرخی مائل کالا رنگ ہو تو اس کا خضاب جائز ہے، محض کالے رنگ سے اجتناب کرنا چاہیے۔

س: کیا اسلام میں عورت کو مردوں کے ساتھ ایک ہی دفتر میں کام کرنے کی اجازت ہے؟

ج: اسلام میں مرد و زن کے ایسے اختلاط کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن اگر کوئی عورت بہت زیادہ مجبور ہے، اس کا کوئی کمانے والا مرد نہیں ہے اور اس کی بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو رہی ہیں تو ایسی حالت میں اس کے لیے ایسے ماحول میں کام کرنے کی گنجائش اور رخصت نکل سکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

س: نماز باجماعت کے لیے امام کے انتخاب کا معیار کیا ہونا چاہیے؟

ج: حدیث رسول ﷺ ہے:

"عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: (یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَۃِ سَوَاءً فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَاءً فَاَقْدَمُھُمْ سِنًّا وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِہٖ وَلَا یَقْعُدْ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ" (رواہ مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں (یعنی سب کا زمانہ ہجرت ایک ہی ہو) تو پھر وہ شخص امامت کرے جو عمر کے لحاظ سے مقدم ہو، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے حلقہ سیادت و حکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اس کے گھر میں اس کے بیٹھنے کی خاص جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔''

حدیث کے آخری الفاظ سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے ہاں مہمان جاتا ہے تو وہاں امامت میزبان کو ہی کرانی چاہیے۔ اگر میزبان کی اجازت سے مہمان امامت کراتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

س: اگر امام کا مسلک مختلف ہو تو اُس کی اقتدا میں نماز پڑھنی چاہیے یا الگ پڑھ لی جائے؟

ج: جماعت کی نماز فرض ہے، اس لیے جماعت کی نماز کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ مسلک چاہے کچھ بھی ہو جماعت کی نماز ترک نہیں کرنی چاہیے۔

س: شادی کے بعد ایک لڑکے پر اپنے والدین کے حوالے سے کیا مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ والدین کا قرض اتارنے میں میری کیا ذمہ داری ہے؟

ج: اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص اپنے باپ کی شکایت لے کر آیا کہ اے نبی ﷺ! میرے بال بچے ہیں لیکن اس کے باوجود میرا باپ میرے مال میں سے لے کر اپنی ضرورتیں پوری کرتا رہتا ہے، تو آپؐ نے اس شخص کو کہا "اَنْتَ وَ مَالُکَ لِاَبِیْکَ"، یعنی ''تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملکیت ہیں۔'' اس لیے بیٹے کا مال باپ کا بھی مال ہے اور باپ کو اپنے بیٹے کے مال میں تصرف کا مکمل حق حاصل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

✿✿✿✿✿

قارئین! کالم ''تفہیم المسائل'' کے لئے آپ اپنے سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیج سکتے ہیں۔

حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام ماہانہ شب بیداری

12 جون 2007ء کو حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام شب بیداری کا پروگرام منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز شب 9 بجے ہوا۔ تلاوت قرآن کے بعد لٹریچر کا مطالعہ کرایا گیا۔ مطالعہ لٹریچر کی ذمہ داری سید نعمان اختر نبھاتے ہیں۔ یہ ایک منفرد نوعیت کا پروگرام ہے، جس میں وہ ملٹی میڈیا کے ذریعہ زیر مطالعہ کتاب کی عبارت کو پڑھتے جاتے ہیں، اور جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے، اُس کی وضاحت کرتے جاتے ہیں۔ وقفہ وقفہ سے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی آڈیو کیسٹ میں ریکارڈ شدہ آواز بھی سناتے جاتے ہیں۔ یہ پروگرام اس ریفریشر کورس پر مبنی ہے جو 1989ء میں بانی محترم نے پیش فرمایا تھا۔ اس ماہ کا موضوع ''تحریک پاکستان کا تاریخی پس منظر اور اس میں قومی و مذہبی عوامل کا تناسب'' تھا۔ مطالعہ لٹریچر کے بعد اعجاز لطیف نے گفتگو کی۔ انہوں نے نماز استخارہ کا مسنون طریقہ اور اس نماز سے متعلق دیگر ضروری باتوں کی وضاحت کی۔ ساڑھے گیارہ بجے شب بیداری پروگرام کا پہلا سیشن ختم ہوا۔

دوسرے سیشن میں رفقاء کو نوافل کی ادائیگی کے لئے سوا تین بجے بیدار کیا گیا، جس کے بعد شجاع الدین شیخ نے ترجمۂ نماز کے پروگرام میں رفقاء کو التحیات، اور درود شریف کے ترجمے بتائے اور اس کے بعد اُن دعاؤں کا تذکرہ کیا جو نماز کی حالت میں جلسہ میں پڑھی جاتی ہیں۔

نماز فجر کے بعد انجینئر نوید احمد نے تحریک دعوت کے پس منظر کو واضح کیا اور درس قرآن دیا۔ درس میں آپ نے سورۂ نوح کی روشنی میں داعی الی اللہ کے لیے فکری رہنمائی کی وضاحت کی۔ درس کے بعد آپ نے نظام خلافت کے حوالے سے ایک اہم کتاب ''نظام خلافت اور ہماری ذمہ داری'' کا بھی تعارف کرایا جس میں ہماری تنظیمی فکر کے حوالے سے بھرپور تائید ملتی ہے۔ انہوں نے رفقاء سے کہا کہ اس کتاب کو وہ خود بھی پڑھیں اور اپنے علاقے کے علماء اور ائمہ مساجد کو بھی پہنچائیں، تاکہ نظام خلافت کے احیاء کی جدوجہد کی ضرورت واہمیت ان پر عیاں ہوسکے۔

ناشتہ کے بعد مرکز سے آئی ہوئی ٹیم میں سے شیبا احمد نے تحریک دعوت کے دوسرے مرحلے کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی۔ آپ نے رفقاء کے سوالوں کے جوابات بھی عنایت فرمائے۔ انہوں نے تحریک دعوت کے ضمن میں، امراء، ناظمین دعوت اور نقباء حضرات کی ذمہ داریوں پر بھی تفصیلی گفتگو فرمائی۔ دو گھنٹے پر پھیلی ہوئی اس بریفنگ کا اختتام پر مسنون دعا پر ہوا۔ یوں صبح دس بجے شب بیداری کا یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

(مرتب: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی کے مرکزی نائب ناظم دعوت کی حلقہ سرحد شمالی آمد

2 جون 2007ء کو حلقہ سرحد شمالی کا سہ ماہی مشاورتی و تربیتی و دعوتی پروگرام منعقد ہوا۔ حبیب علی نے ''حقیقت ایمان'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے چارٹس کی مدد سے ایمان کے مختلف گوشوں کو سادہ اور عام فہم الفاظ میں بیان کیا۔ بعد از نماز مغرب علی شیر نے ''حقیقت دین'' پر گفتگو کرتے ہوئے دین کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے واضح کیا کہ اسلام محض مراسم عبودیت کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے گوشوں پر مشتمل ہے۔ بدقسمتی سے جب حقیقت دین ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو ہم سیکولرازم کے اسیر بن گئے اور زندگی کے اجتماعی گوشوں کو دین کے دائرے سے نکال دیا۔

بعد نماز عشاء راقم نے ''نظم جماعت کی اہمیت'' پر گفتگو کی۔ پروگرام کی پہلی نشست رات گیارہ بجے ختم ہوئی۔ اگلے روز بعد نماز فجر حافظ احسان اللہ نے مقامی مسجد میں عظمت قرآن کے موضوع پر گفتگو کی۔ آپ کے سادہ مگر دلنشین انداز بیان سے سامعین بہت متاثر ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی دعوتی و تربیتی پروگرام کا اختتام ہوا۔ لیکن مرکز سے آئے ذمہ داران کے ساتھ دعوت کے تیسرے مرحلے کے سلسلے میں نشست ہونا باقی تھی۔ لہٰذا اب یہ نشست منعقد ہوئی۔ جو کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ محترم اشرف وصی اور کاشف بلال نے دعوت کے مختلف گوشوں پر دل نشین اور دلچسپ پیرائے میں روشنی ڈالی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قوت گویائی میں اور بھی برکت ڈالے۔

تمام ذمہ داران اس محفل سے ایک نئے ولولے اور جوش کے ساتھ رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی سے خیر برآمد کرے۔ (آمین) (مرتب: ابوکلیم نبی محسن)

بقیہ: اداریہ

دنیا میں پھیلے ہوئے فساد کا امریکہ کو ذمہ دار ٹھہرانے والے اور امریکہ کو مسلمانوں کے خون کا پیاسا قرار دینے والا سیاسی اور مذہبی اکٹھ ایم ایم اے بھی امریکیوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی شکایات پیش کیں۔ ہم یہاں تک لکھ پائے کہ اطلاع ملی کہ اتحادی فوج نے افغانستان سے میزائل مار کر میرانشاہ کے مدرسہ کے 32 طلبہ کو شہید کر دیا ہے۔ ایم ایم اے کے رہنما اور صوبہ سرحد کے حکمران اس کی شکایت کس سے کریں گے، کس کو آواز دیں گے۔ کس کے ہاتھوں پر ان بچوں کا خون تلاش کریں گے، اب کس کی دہائی دیں گے، کس سے انصاف کا مطالبہ کریں گے۔ ان خونخوار درندوں سے درخواست کریں گے کہ وردی اتارنے میں ہماری مدد کرے اور پاکستان میں آزاد اور غیر جانبدارانہ انتخابات کروائے۔ وردی اگر مشرف کی کھال بن چکی ہے تو یہ کھال ہمیں خود اتارنی ہوگی ورنہ امریکہ مشرف کی نہیں، ہم سب کی کھال کھینچ دے گا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے یہ رہنما انتہائی سادہ اور بھولے ہیں یا اقتدار کے عشق میں ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں اقبال کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تری   اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

✿✿✿✿✿✿✿

ذکریٰ جدید، نئی دہلی

(اسلام کا خاندانی نظام نمبر)

ضخامت : 256 صفحات   قیمت : 35 ہندوستانی روپیہ

اس خصوصی شمارے پر ماہنامہ حکمت قرآن مارچ 2007ء میں تبصرہ شائع کیا گیا تھا اور قارئین کی سہولت کی خاطر یہ شمارہ انڈیا سے محدود تعداد میں منگوایا گیا تھا، جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا۔ اس کے حصول کے خواہش مند قارئین نوٹ فرمالیں کہ ہمارے پاس انڈیا سے منگوائے گئے مزید شماروں کا سٹاک بھی ختم ہوگیا ہے، لہٰذا اب یہ شمارہ براہِ راست انڈیا سے منگوائیں۔ پتہ ہے:

ماہنامہ ذکریٰ جدید، 51۔اے، جوہر فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

ٹیلی فیکس: 91-11-26315029

فلسطین انتشاری ہنگاموں کی زد میں

آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے حماس کے وزیراعظم اسماعیل حانیہ کو برطرف کر کے ان کی حکومت ختم کر دی۔ مگر اس دوران غزہ کی پٹی میں حماس نے تمام اہم سرکاری مقامات پر قبضہ کر لیا اور اب وہاں اس کی حکومت ہے۔ فلسطینیوں کی دونوں تنظیموں کے مابین چاہے جتنے بھی اختلافات ہوں، ان کی آپس کی لڑائی نے امت مسلمہ خصوصاً عام فلسطینی کو سخت صدمہ پہنچایا ہے۔ اُدھر اسرائیل امریکا خوشی کے شادیانے بجا رہے ہوں گے۔ ان کا مطمحِ نظر یہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد نہ قائم ہونے پائے۔

اب آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ فلسطین کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ فی الحال تو فلسطینی دو بڑے گروہوں میں بٹ کر اپنی اصل منزل — آزادی — سے دور چلے گئے ہیں۔ محمود عباس نے ٹیکنوکریٹ سلام فیاض کو حانیہ کی جگہ وزیراعظم مقرر کیا ہے۔

ایران کی دھمکی

ایرانی حکومت نے دھمکی دی ہے کہ اگر اقوام متحدہ نے اس پر مزید پابندیاں عائد کیں تو وہ انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی سے تعاون ختم کر دے گا۔ اُدھر ایجنسی کے سربراہ محمد البرادعی نے ایرانیوں پر زور دیا ہے کہ وہ یورینیم کی افزودگی ختم کر دیں۔ دریں اثنا ایران نے پٹرول ذخیرہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ تاکہ نئی پابندیوں کے باعث صنعت و تجارت متاثر نہ ہو۔

مقدس زیارتوں پر حملے

عراق میں خانہ جنگی بڑھتی جا رہی ہے اور اب مقدس زیارتیں بھی حملوں سے محفوظ نہیں رہیں۔ پچھلے دنوں نامعلوم افراد نے حضرت حسن عسکریؒ کے روضے کے دو مینار شہید کر دیے۔ پھر چند دن بعد صحابی رسول ﷺ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کا مقبرہ شہید کر دیا گیا۔ ان حملوں سے بظاہر یہی لگتا ہے کہ عراق میں شیعہ سنی فسادات ہو رہے ہیں۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان سے کسے فائدہ ہو رہا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس خانہ جنگی سے صرف امریکا کو فائدہ ہو رہا ہے۔ امریکی یہ بہانہ بنا کر زیادہ سے زیادہ عرصہ عراق میں رہنا چاہتے ہیں کہ وہاں لڑائی ہو رہی ہے لہٰذا وہ فی الوقت واپس نہیں آ سکتے۔ تیل کی ہوس انہیں اس اسلامی ملک میں لے گئی تھی جو اب امریکیوں کے ظلم و ستم کے نیچے سسک رہا ہے۔ اِس طرح گریٹر اسرائیل کے لئے صیہونی بھی اپنے پروگرام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

امریکیوں نے عراق کا جو برا حال کیا ہے، اس کا اندازہ ابھی ہر کسی کو نہیں لیکن جب وہ رخصت ہوں گے، تو ان کے بھیانک جرائم سامنے آئیں گے۔ تب کُل عالم کو پتا چلے گا کہ حقوق انسانی کے چیمپین عراق میں کیا گُل کھلا کر گئے ہیں۔

اقوام متحدہ کے سفیر کے انکشافات

پچھلے ماہ مشرق وسطیٰ میں اقوام متحدہ کے سفیر الوارو ڈی سوتو نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اب انکشاف ہوا ہے کہ وہ اپنے کام میں امریکی اور اسرائیلی مداخلت سے ناخوش تھا۔ اس نے حال ہی میں 53 صفحات کی رپورٹ اقوام متحدہ کے اعلیٰ افسروں کو بھجوائی ہے۔ اس میں الوارو نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی پالیسی امریکا اور اسرائیل کی تابع مہمل بن چکی ہے۔ پیرو سے تعلق رکھنے والے سابق سفارت کار کا یہ انکشاف اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ امریکی اور اسرائیلی ''عقاب'' مشرق وسطیٰ کا نقشہ بدلنا چاہتے ہیں۔

دارفر میں امن فوج

سوڈان نے دارفر میں بیس ہزار امن فوج تعینات کرنے کی ہامی بھر لی ہے۔ یہ فوج اقوام متحدہ اور افریقی یونین کے ماتحت ہوگی۔ یاد رہے کہ دارفر میں اب بھی متحارب گروہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ وہاں طویل خانہ جنگی کے باعث دو لاکھ افراد مر چکے ہیں۔ تاہم یہ اندازہ مغربی ذرائع ابلاغ کا ہے جو اسلامی ممالک کے واقعات کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ سوڈانی حکومت کا کہنا ہے کہ ہلاک شدگان کی تعداد تقریباً نو ہزار ہے۔

مغربی ذرائع ابلاغ کی یہ خاص ''خوبی'' ہے کہ وہ اپنے ہاں کے واقعات کے منفی پہلو سامنے نہیں لاتے، جبکہ اسلامی ممالک کے واقعات میں وہ دوربین لگا کر منفی پہلو تلاش کرتے اور انہیں شہ سرخیوں کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں۔ یہ مغرب کی منافقت کی ایک اور صریح مثال ہے۔

امریکی مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ

امریکا میں جو مسلمان شہریت دینے کے لیے منتخب ہو جائیں، اب انہیں برسوں شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری ادارے ان کی کڑی چھان بین کرتے ہیں اور اس عمل میں بہت وقت لگاتے ہیں۔ انہیں عوامل کا نتیجہ ہے کہ امریکی مسلمانوں کے لیے شہریت کا حصول سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔

دراصل اب عام امریکی دل سے یہی چاہتا ہے کہ مسلمان امریکا میں نہ آئیں۔ بش حکومت کے زبردست پروپیگنڈا نے عام امریکی کے دل میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ ہر مسلمان دہشت گرد ہے۔ اس نفسیاتی اثر کے باعث پڑھے لکھے اور سمجھدار امریکی بھی مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں، چاہے وہ بظاہر ان سے اچھے سلوک کے ساتھ پیش آئیں۔

سعودی وزیر خارجہ کا پی آئی اے پر مقدمہ

نیویارک کی امریکی عدالت میں سعودی عرب کے وزیر خارجہ، شہزادہ سعود الفیصل نے پی آئی اے کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ انہوں نے قومی ایئر لائن پر الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے 8.6 ملین ڈالر کے حصص فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں ایسا نہیں کرنے دیا گیا۔

شمعون پیریز اسرائیلی صدر بن گئے

اسرائیلی سیاست کے مرد آہن شمعون پیریز اسرائیل کے نئے صدر بن گئے ہیں۔ موصوف اعتدال پسند سیاست دان سمجھے جاتے ہیں، لیکن فلسطین مسئلے کے سلسلے میں وہ بھی انتہا پسندی کا مظاہرہ ہی کرتے ہیں۔ گو اسرائیلی آئین کے تحت صدر کے اختیارات محدود ہیں، تاہم اس کے خیالات عوامی رائے عامہ تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ایران طالبان کو اسلحہ دے رہا ہے

امریکی وزیر خارجہ رابرٹ گیٹس نے الزام لگایا ہے کہ ایران سے طالبان کو وسیع پیمانے پر اسلحہ مل رہا ہے اور یقیناً ایرانی حکومت اس امر سے واقف ہوگی۔ امریکی وزیر خارجہ نے پہلی بار ایران کی طرف انگلی اٹھائی ہے، ورنہ پہلے سب کا زور پاکستان کی طرف ہی تھا۔ امریکیوں کو یہ بات سمجھ ہی نہیں آ سکتی کہ افغان اپنی آزادی کی جنگ خود لڑ رہے ہیں، ہاں، پاکستان اور ایران میں ان کے ہمدرد انہیں اسلحہ فراہم کر سکتے ہیں۔

that they have been deceived, robbed, exploited and lied to for the past 60 years. They lived under the illusion of independence. They lived under colonial systems and way of life in the name of living in "Islamic" Republic of Pakistan. Religious, secular and military leadership is only a bunch of opportunists fighting within the same system for the same limited resources, using different deceptive slogans.

This will polarize the political spectrum in Pakistan even more. Dismayed followers of PPP, MMA and other political parties will gradually break away because of the unprincipled deals all of them have been making with the military dictators at one or another time in their struggle for power. Political sympathy factor in Pakistan may work heavily in favor of the basic reason, the only justification and the raison d'être of Pakistan. In the near future there is a great possibility of a mini-revolution or a civil war in Pakistan in which general public will rise against the elites, who have been sustaining de facto colonization for the past 60 years. There is always a limit to everything and the limits of exploitation, deception and corruption by the military and political leadership in Pakistan are fast approaching as the masses are getting deeper and deeper into the slough of despondence and depths of humiliation and suffering.

An impact which the United States and its allies may be aware of, but discounting it tactically, could be the emergence of a stronger anti-colonialism, anti-western interference, force in Pakistan. By that time it will be too late for the imperial centres in the West to contain the tide because Pakistan is not alone. The forces are already coming to fore in Iraq and Afghanistan. Saudi Arabia, Jordan, Egypt, Morocco and others would follow. The modern day colonialists would long for their puppets like Musharraf, Benazir, Saddam, Saudi Kings, Hosnie Mubarak and others when they will become history with the impending success of the Muslims struggle for self-determination.

جاگو جگاؤ

''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف بڑھ رہا ہے......''

محمد سمیع

آج مجھے ایک بزرگ خاتون کی باتیں بہت یاد آ رہی ہیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اپنے محلّہ کی مسجد کمیٹی کا سربراہ تھا۔ ایک نیک خاتون جن کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف خوشحالی عطا کی ہوئی تھی بلکہ دین کی خدمت کے جذبہ سے بھی نوازا تھا، مسجد کی توسیع کے کاموں میں حصہ لینے آیا کرتی تھیں۔ جب میں ان کی اس دینی خدمت کو سراہتا تو وہ بڑی لجاجت سے کہتیں: بس بیٹا! دعا کرو، میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے۔ وہ کہا کرتی تھیں، بیٹا! اللہ تعالیٰ کی جانب سے سگنل موصول ہوتے رہتے ہیں۔ آنکھوں کی بینائی کم ہوئی، ایک سگنل آ گیا۔ سماعت کمزور ہوئی، دوسرا سگنل آ گیا۔ گویا اس کی جانب سے اسی طرح سگنل آتے رہتے ہیں کہ میرے بندے اب تو میرے پاس آنے کے لئے تیاری شروع کر دے۔ لیکن ہم بندے ہیں کہ اپنے رب کے ان اشاروں سے غافل اور دنیا میں مگن رہتے ہیں۔

ان کی یہ باتیں مجھے اس وقت یاد آئیں جب میرا دوسرا دانت ٹوٹا۔ پہلے ایک دانت ٹوٹ کر الگ ہوا۔ پھر ایک آنکھ کی بینائی ضائع ہوئی اور اب دوسرے دانت کی باری آئی۔ لیکن جب میں اپنے شب و روز پر غور کرتا ہوں، تو مجھے ان میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ آج مجھے اس بزرگ خاتون کی باتوں میں صداقت محسوس ہوتی ہے۔ جب میں اپنے نکلے ہوئے دانت کو پھینک رہا تھا تو ایک لمحہ کو خیال آیا کہ کل کو لوگ میرے پورے وجود کو قبر میں ڈال کر چلے جائیں گے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں منزل بمنزل اپنے رب سے ملاقات کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ جب میں اس بات کا اظہار اپنے بچوں سے کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ پاپا! ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ اہلیہ کہتی ہیں کہ یہ الٹی سیدھی باتیں بند کریں۔ حالانکہ یہ الٹی سیدھی نہیں بلکہ سیدھی سیدھی باتیں ہیں۔ لیکن ہم حقائق کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ہمارا حال اس شتر مرغ کا سا ہے جو صحرا میں طوفان بادوباراں کو دیکھ کر اپنا منہ ریت میں دبا لیتا ہے اور نادان یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح وہ طوفان کی ہلاکت خیزی سے بچ جائے گا۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا واضح ارشاد گرامی موجود ہے کہ دلوں پر زنگ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کو دور کرنے کے لئے آپؐ نے ہی دو طریقے ارشاد فرمائے ہیں یعنی تلاوت قرآن کریم اور موت کا کثرت سے ذکر۔ لیکن ہم موت کے ذکر سے کراہیت محسوس کرتے ہیں۔ گویا نبی اکرم ﷺ کے ایک اور ارشاد مبارک کے مطابق ہم ''وھن'' کی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں، اور اس بیماری کی دونوں علامتیں ہمارے اندر موجود ہیں یعنی دنیا سے محبت اور موت سے کراہیت۔ دنیا سے ہمیں محبت ہے، اسے جلد چھوڑنا نہیں چاہتے، لہٰذا موت کے ذکر سے ہی کراہیت محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ الحمد للہ، ہم تو مسلمان ہیں، کٹر سے کٹر کافر بھی موت کا انکاری نہیں ہے۔ سب کو پتہ ہے کہ موت سے رستگاری ممکن نہیں۔ وہ ایک نہ ایک دن ہمیں آ دبوچے گی۔ کافر تو آخرت پر یقین نہیں رکھتا، لہٰذا وہ موت سے نچنت ہے، لیکن حیرت ہے کہ ہم مسلمان بھی موت سے اسی طرح نچنت ہیں۔ حالانکہ قرآن کی وارننگ موجود ہے ''کیا وہ اس بات سے نچنت ہیں کہ وہ رات سوئے پڑے ہوں اور اللہ کا عذاب ان پر آ دھمکے، یا دن میں لہو و لعب میں مصروف ہوں اور اللہ کا عذاب انھیں اپنی گرفت میں لے لے۔'' اے کاش! سورۃ انشقاق کی یہ آیت ہر دم ہمارے ذہنوں میں مستحضر رہے کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴾

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No.24
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

ABID ULLAH JAN

Mush-Bibi deal in a broader context

Pakistani's former Prime Minister Benazir Bhutto has been in exile for over a decade to evade arrest on corruption charges by General Musharraf's military regime. Although the charges were laid by the military regime, but historical record shows Benazir government was at least as corrupt and mismanaged resources as any of the past military or civilian regime in the country.

Dreaming once more to come to power, Benazir has again intensified efforts to sell herself to the power-brokers in the United States. Her article in June 8 Wall Street Journal is indicative of these efforts. She is getting ready for a third deal with the military to come to power. The last two times she came to power was also the result of her behind-the-scene deals with Pakistan military.

It is the United States and the West which are externally scripting the latest deal for her, just in case the situation get totally out of control for General Musharraf and he is left with no option but to leave. Regrettably, they seem bent to ignore that Pakistan today stands poised at crucial crossroads where a vast spectrum of the Pakistani public been out on the streets clamoring for restoration of truly representative government. Instead, the US wants to change the puppet for continuation of its invisible, indirect occupation of Pakistan.

At such a critical juncture when the masses in Pakistan are within a stone's throw from getting at least a semblance of democracy restored in Pakistan, it is not surprising that Benazir Bhutto is striking a deal with Pakistan Army for the perpetuation of General Musharraf in power with a quid-pro-quo of herself being absolved from corruption charges, being allowed to return to Pakistan and engineering her party the PPP to emerge as the 'Kings Party' in the governing apparatus. Selfishness and continued patronage of the United States make Benazir and other opportunist act treacherously like this.

Musharraf has proved himself to be crafty, duplicitous and unreliable. In the last seven years he has not lived upto his public pledges he gave to the Pakistani nation. Externally, he has been playing in the hands of the United States and India. He has been an active supporter of the United States war of terrorism and occupations. He has killed and allowed the US to kill innocent Pakistanis. He has accepted responsibility for the American butchery of innocent civilians in Pakistan. He revels in a delusionary belief that he is indispensable for Pakistan. He has bartered away Pakistan's sovereignty to the United States.

Now Benazir is marketing herself as a Western-educated liberal committed to democracy and the rule of law. In submitting to the concepts of liberalism and secularism, Musharraf has left her far behind. However, she still tries to persuade masters of Pakistan's destiny that she is the better alternative for the public which is fed up of military dictators at the top. She was no less a puppet for Washington than Musharraf. The Taliban as an instrument of the United States designs in Afghanistan were created by Benazir Bhutto.

Musharraf Bhutto coalition is in the offing, unless general Musharraf is assassinated by the US and another military general is pushed in his seat to continue his policies for as long as he could. The reason for this is that the United States wants Pakistan army to fight its war of terrorism. A civilian leader would not be in a position to utilize the armed forces as perfectly in the service of the United States as a military general who holds political power as well.

This need is evident from the way the United States and the West support Musharraf's oppressive regime due to their strong vested strategic interest. This is with special reference to the United States and NATO illegitimate war and continued occupation of Afghanistan.

That's why former British High Commissioner Sir Mark Lyall Grant was shuttling between Dubai and Islamabad parleying the deal between the two puppets. US Asstt. Secrtary of State, Richar Boucher today has been meeting Benazir in Dubai, combining it with visits to Islamabad. Benazir Bhutto herself has been shuttling to UK and US for lobbying in the revival of her political fortunes.

As expected, the first major impact of the third Benazir Bhutto's deal with the Pakistan Army would be to divide the forces that are emerging for the restoration of truly representative government in Pakistan and the exit of Musharraf as the military ruler. Although the problem with the system remains and even in the absence of Mush-Bibi deal, people will have no option but to pick faces from the existing political exploiters. However, the way the movement is growing there are hopes that a political revolution may take roots, which is seriously required to turn the table on vested interests which have occupied Pakistan for so long.

Just like MMA helped the General in constitutionalizing dictatorship, now Benazir will come out to support the continuation of military dictatorship at a time when it is in a deep crisis, and will make it a permanent feature of Pakistani politics.

This amounts to multiple betrayal of Pakistan and Pakistanis by their opportunist leaders on many counts: (1) Pakistani's 21st century movement for independence, which has been building up for the last two months will get disrupted (2) Political leadership would be once more betraying its own activists who for more then a decade have kept up the political fight in a naïve but dedicated manner (3) The actual meaning of Pakistan and the reason for its creation will once more get lost in the daily chorus of freedom, democracy, progress and struggle against extremists.

The encouraging news is that these dirty deals of the so-called Pakistani leadership will make the public realize